

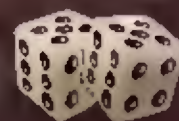
# حالم

پور اور جاسوس

بارٹ 1

حالم نمبرہ احمد

#18



18 مشق

<https://www.facebook.com/nervzahmedofficial/>

## نمبرہ احمد

## پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

Downloaded from Paksociety.com



# حالم (نمرہ احمد)

آٹھارہواں باب:

## ”چور اور جاسوس“

اس نے خواب میں دیکھا....

چمکتا فرش ہے....

اور وہ سپید بھیر سیاہ جوتوں میں مقید ہیں....

جوتے گیلے ہیں....

اور چند قطرے پانی فرش پہ بکھرا ہے....

دیکھتے ہی دیکھتے... وہ جوتوں میں مقید بھیر پیچھے کواٹھنے لگتے ہیں....

گیلے جوتوں کے ربڑ سے چھیں چھیں کی آواز آنے لگتی ہے....

وہ آواز.... وہ نحوست بھری آواز....

☆☆=====☆☆

کے ایل کے اس چھوٹے سے گھر کا لان آج سونا سونا لگتا تھا۔ گھاس اور پھولوں کے باوجود خالی پن اور ویرانی ہر شے سے ٹپکتی تھی۔ نہ کوئی مرغی تھی جو کسی آہٹ پہ کٹ کٹاتی ہو، نہ کوئی چوڑا تھا جو ادھر ادھر چھپتا ہو۔

ایڈم کی ایجو برآمدے کے زینوں پہ بیٹھی گود میں ننھا گلار کھے کھر پے سے اس کی مٹی کو دھیرے دھیرے ہلا رہی تھی۔ پودا سوکھا ہوا لگتا تھا اس لئے مٹی سخت تھی۔ وہ گا ہے بگا ہے پانی کا گھونٹ کھلے پہ انڈ پلتی اور پھر گیلی مٹی کو کھودنے لگتی۔ اس کے اسکارف میں لپٹے چہرے پہ ادا سی تھی۔ وہ جتنی خاموش تھی، عقب میں برآمدے میں بیٹھے داتن اور ایڈم اتنا ہی بول رہے تھے مگر عجیب بات تھی کہ ان دونوں کی گفتگو ہو یا کھلے میں پانی کی گرتی دھار کی آواز، کوئی شے اس گھر کے سنسان پن کو ختم نہیں کر پارہی تھی۔

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed Official

#CrossOver(Special Episode)

#TeamNA



”میرا دل نہیں مانتا ایڈم۔“

برآمدے کی کرسیاں آدمی دھوپ اور آدمی چھاؤں میں تھیں۔ داتن کی کرسی پہ سایہ تھا اور وہ فکر مندی سے سرنگی میں ہلاتی کہہ رہی تھی۔ ”میں وان فاتح کو شاید پسند نہ کرتی ہوں اور تالیہ کے لئے تو ہالکل بھی نہیں (آواز ویسی ہوئی اور اس نے کانڈ رکھ دیے اور سنجیدگی سے ایڈم کو دیکھا۔) مگر وہ یوں جھوٹ نہیں بول سکتا۔ وہ کسی آف شور کمپنی کا مالک نہیں ہو سکتا۔“

ایڈم کی کرسی دھوپ میں تھی۔ وہ ماتھے پہ ہاتھ کا چھبناٹے بیٹھا تھا۔ آج مسٹر سلیم بیٹی والے علیہ کے برعکس وہ ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس، مغموم نظر آتا تھا۔

”ہر طرح سے چیک کر چکا ہوں داتن۔ کانڈ اور بیٹکل ہیں اور یہ دو خط وان فاتح کے ہی ہیں۔“

”تمہارا دل کیا کہتا ہے؟“ داتن نے غور سے اس نوجوان کی اداس آنکھوں میں دیکھا۔

ایڈم نے گہری سانس لی ماتھے سے ہاتھ ہٹایا اور دوران کی ویران گھاس کو دیکھنے لگا۔

”میں جانتا ہوں کہ یہ کمپنی وان فاتح کی ہی ہے۔ مسئلہ یہ نہیں ہے۔ میری طرف سے چاہے وہ ایک کمپنی رکھیں یا ایک

ہزار۔ مسئلہ یہ ہے کہ ان کی کمپنی اس فرم میں ہے جس کے راز افشاء کرنے کا وعدہ میں نے نیٹھل میڈیا پہ کیا تھا۔“

”تم اپنے لئے پریشان ہو؟“

”کیا میں صرف اپنی پردہ کرنے والا لگتا ہوں آپ کو؟“ وہ الناس پہ خنہ ہوا۔ ”اگر میں نے یہ فائل (اٹھا کے چند کانڈ

دکھائے) پبلک کر دی تو وان فاتح کی ساکھ تباہ ہو جائے گی اور پے تالیہ مجھے کبھی معاف نہیں کریں گی۔ اور اگر (کانڈ واپس

رکھے) میں اس فائل کو چھپا کے باقی تمام لوگوں کے راز افشاء کرتا گیا تو میں خود کو معاف نہیں کروں گا۔“

”کون سا غم زیادہ بڑا ہو گا؟“

وہ چپ ہو گیا۔ لان کے سارے پھول اور پتے خاموشی سے اس کے جواب کے منتظر تھے۔ ایسا بھی تک زینوں پہ بیٹھی

کملے کی مٹی نرم کر رہی تھی۔

”پتہ ہے داتن.... مجھے ہمارے رسول اللہ ﷺ نے سکھایا ہے کہ انسان کو غم اور خوشی میں بات حق کی کہنی چاہیے۔ چاہے

معاملہ کسی عزیز کا ہو یا دشمن کا۔ انسان کو حق کے لئے یکساں اسٹینڈرڈ سب پہ اپلائی کرنا چاہیے۔ میں ہمیشہ سے وہ پرفیکٹ سچا

مسلمان بننا چاہتا تھا۔ دشمنوں کی آف شور جائیداد کے کانڈ لیک کر دیے تو ایڈم بن محمد کو لگا وہ وہی سچا مسلمان بن گیا ہے مگر

دوست کی باری آئی تو اس نے جانا کہ یہ بہت مشکل کام ہے۔“

”آسان ہوتا تو سب کر لیتے۔“ داتن تلخی سے مسکرائی۔ ایڈم کی آنکھوں کے کنارے بھینکنے لگے۔

Downloaded from PakSociety.com



”مجھے بے تالیہ کا غم نہیں ہے۔ اپنا بھی نہیں ہے۔ غم صرف اس بات کا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری زندگیوں میں اتنی مشکل کیوں بنائی ہیں۔ میرے ہاتھ میں زمین میں چھپے خزانوں کے راز دے کر مجھے بچپن سے نصیحت کروائی گئی تھی کہ جب تمہیں ان خزانوں کا علم ہوگا تو تمہیں سچ بولنا ہوگا۔ قدیم ملاکہ میں یہ آسان تھا۔ جدید کے ایل میں بھی یہ آسان تھا۔ چاہے سائنس کے بندے مجھے ماریں یا امراء اور رؤساء رشوتوں کی ہیکش کریں، میں سمجھتا تھا میں ہر ترغیب اور ہر دھمکی کا مقابلہ کر سکتا ہوں۔ مگر اپنے ہی ہاتھوں مجھے اپنے ایک دوست کی ساکھ کو برباد کرنا پڑے گا، میں نہیں جانتا تھا۔“

”تو تم فیصلہ کر چکے ہو؟ تم یہ فائل پبلک کر دو گے؟“

ایڈم نے بے بسی سے اسے دیکھ کے شانے اچکائے۔ ”کیا ایڈم بن محمد کے پاس دوسرا کوئی آپشن ہے؟“

”ہاں اگر یہ فائل جھوٹی ہوئی اور تم ناحق کسی کی عزت سے جھیل گئے تو نقصان کا ذمہ دار کون ہوگا؟“

”داتن.... داتن.... جن سینکڑوں لوگوں کی فائلز میں نے میڈیا پہ پیش کی ہیں ان میں سے ایک بھی میرے خلاف کورٹ نہیں گیا۔ خود کلائینڈ اینڈ لی کمپنی بھی نہیں کیونکہ سب کو معلوم ہے یہ سچ ہے۔“ وہ بے بسی سے بولا تو داتن سوچتی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

”ہاں تم نے کہا کہ وہ تمہارا دوست ہے؟“

پہلی دفعہ ایڈم کے لبوں کو ایک زخمی مسکراہٹ نے چھوا۔

”سیاستدانوں کی یادداشت اچھی نہیں ہوتی۔ وہ بھول جاتے ہیں۔ مگر میں نہیں بھولا۔ قدیم ملاکہ میں ہم دوست ہی تھے۔“

”اسی لیے دوستوں اور دوسرے لوگوں میں انسان کو فرق کرنا آنا چاہیے ایڈم۔“

”آپ کہہ رہی ہیں کہ میں اس فائل کو چھپالوں؟“ ایڈم نے ہمنویں بچنے کے اسے دیکھا۔

”میں کہہ رہی ہوں کہ دوست دوست ہوتا ہے اور اس کو صفائی کا ایک موقع دینا چاہیے۔ تو کیوں نا تم ایک دفعہ اس معاملے کی دوبارہ سے تحقیق کرو۔“

”میں ساری تحقیق کر چکا ہوں۔ یہ فائل سچی ہے۔“

”جھوٹا تو تمہارا دوست بھی نہیں ہے ایڈم۔ ایک دفعہ پرانے وقتوں کی طرح اس سے ٹل بیٹھ کے بات کرنے میں کیا قباحت ہے؟“ داتن اب کے برہمی سے بولی۔ ”دوست کا اتنا حق ہوتا ہے کہ اس سے ایک دفعہ پوچھ لو۔ ہو سکتا ہے عصرہ نے یہ کمپنی وان فاتح کے نام پہ بنالی ہو۔ کمپنی بنانے کے لیے پاسپورٹ وغیرہ کی کاپی ہی چاہیے نا اور ایک دستخط؟ کیا عصرہ کسی بھی



بہانے سے فاتح سے یہ دونوں چیزیں نہیں لے سکتی؟“

ایڈم نے چپ ہو کے سر جھکا دیا۔ پھر اسی طرح تھوڑی سیٹھ پٹھ گرائے وہ آہستہ سے بولا۔

”وہ اب بی این کے صدر ہیں اور اب تو بچے تالیہ بھی نہیں ہیں جو مجھے اپنا نمٹنٹ دلوادیں۔ وہ ایک پرانے ہاڈی مین کی کتاب کی تقریب میں تو آسکتے ہیں لیکن اس کو اپنے برابر بٹھا کے تقشیش کا حق نہیں دے سکتے۔ انہیں تو بھول چکا ہے کہ کبھی میں ان کا دوست تھا۔“

”تمہیں تو یاد ہے نا؟ اور جو انسان کو معلوم ہوتا ہے وہی اس کی مدد کر سکتا ہے۔“

ایڈم نے سر اٹھایا اور پھینکی مسکراہٹ کے ساتھ داتن کا چہرہ دیکھا۔ داتن کی آنکھوں میں امید تھی۔

”بچے تالیہ کا کچھ پتہ چلا؟“

”نہیں ایڈم۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ ٹھیک ہوگی۔ جب وہ واپس آنا چاہے گی آجائے گی۔“

”انہیں ہمیں ایک فون تو کرنا چاہیے تھا۔“

”میں نے اسے ای میل کی ہے۔ روز کرتی ہوں۔ تم بھی کر لیا کرو۔ تالیہ اپنی مرضی کی مالک ہے۔ جب اسے بات کرنی ہوگی وہ کر لے گی۔ مگر ہم دونوں کو معلوم ہے کہ وہ جہاں بھی ہے آزاد ہے ورنہ وہ ان فاتح کے گھر وہ ایک ڈسٹریکٹ نہ بھجوا رہی ہوتی۔“

داتن کے لہجے میں تلخی گھل گئی۔ ایڈم کے چہرے کا زخمی پن مزید بڑھ گیا۔

”ان کو گورنمنٹ والے گرفتار کر کے لے گئے“ اتنے کرائسز میں وہ ہم دونوں کو بھول گئیں مگر فاتح صاحب کو نہیں بھولیں۔ وہ ان کے لیے زیادہ اہم ہیں۔“ وہ دیکھی دل سے بولا تھا۔ پھر چونکا۔ ”کیا پتہ ان ڈسٹریکٹ کی پے منٹ انہوں نے پہلے سے کر دی ہو۔“

”نہیں ایڈم۔ وہ ہر روز تازہ پے منٹ کرتی ہے اپنے کریڈٹ کارڈ سے۔ میں نے پتہ کر دیا تھا۔ برا مجھے بھی لگا مگر تالیہ اور فاتح مشکل حالات کے باوجود ایک دوسرے کو چاکلیٹس اور کوکوپھل کے جتنے دینا نہیں بھولتے۔“ وہ تلخی سے کہہ رہی تھی۔ ان سے ہٹ کے بیٹھی ایوباب گملا اس کی جگہ پر کھد ہی تھی۔ اس کی مٹی نرم ہو چکی تھی اور اس میں کھلا پودا نہادھو کے تروتازہ لگنے لگا تھا۔ اس کے پتے پہلے چوڑے کھا جاتے تھے مگر ان کے مرنے کے بعد یہ پودا محفوظ ہو گیا تھا۔ اور اس کی شاخوں پہ ننھے ننھے پتے پھر سے پھوٹنے لگے تھے۔

کسی ایک کی موت کسی دوسرے کی حیات تھی۔ ایک کا زوال دوسرے کا عروج تھا۔

Downloaded from PakSociety.com



☆☆=====☆☆

رات کی سیاہی وان فاتح کی رہا نگاہ پہ پھیلی تھی۔ ہاہر اور اندر خاموشی تھی۔ بچے سونے جا چکے تھے۔ فاتح گھر نہیں آیا تھا۔ ایسے میں اسٹڈی کے اندر عجب اداسی چھائی تھی۔

دروازہ بند تھا اور کرسی کی دروازے کی طرف پشت تھی۔ اس پہ بیٹھی عصرہ کھڑکی کی طرف چہرہ کیے، مگ سے گھونٹ بھر رہی تھی۔

موسم قدرے ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ کے ایل میں سرما کی آمد آتی تھی اور یہ ایسا گرم اور پر جیس خطبارض تھا کہ سرما کا مطلب ذرا سی ٹھنڈ کے سوا کچھ نہ تھا۔

عصرہ ہال ڈھیلے جوڑے میں ہانڈے، کندھوں کے گرد شال لپیٹے، کھڑکی سے نظر آتے نیم اندھیر لان کو دیکھ رہی تھی۔ وہ کسی سیمینار سے آئی تھی اور میک اپ ابھی نہیں اتارا تھا۔ مسکارا ذرا پھیلا ہوا تھا اور کانوں میں موتی جھنگارے تھے۔ آنکھوں میں گہری سوچ تھی۔

”آپ نے مجھے کیوں مارا، می؟“

کھڑکی کے شیشے کے پار ہالکونی میں اسے وہ کھڑی نظر آئی تھی۔

سفید فراق اور ہیر بینڈ والی بچی جس کے کپڑوں پہ خون لگا تھا۔ وہ بند شیشے پہ دونوں ہاتھ رکھے کھڑی، عصرہ کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

”تم پھر آگئیں...!“ عصرہ نے اسی سکون سے گھونٹ بھر اور مگ پیچھے میز پر رکھا۔ نظریں آریا نہ پہنچی تھیں۔

”تم تب آئی تھیں ہماری زندگی میں آریا نہ جب میں فاتح کو چیتنے کی کوشش کر رہی تھی۔“ وہ سوگوار مسکراہٹ کے ساتھ بولنے لگی ایسے کہ آواز لبوں سے باہر نہ گئی مگر وہ جانتی تھی کہ آریا نہ سن رہی ہے۔

”میں نے اتنے ماہ اس کے ارد گرد پروانے کی طرح منڈلاتے گزارے اور پھر ایک دن مجھے معلوم ہوا کہ اس کی زندگی میں تم بھی ہو۔ اس کے باپ کے جرم کی نشانی... اس کی چھوٹی بہن جسے وہ زمانے سے پہچانا چاہتا تھا۔ تب مجھے لگا کہ تم میری میٹرھی ہو۔ میرا سب سے قیمتی ہتھیار۔ فاتح کے دل تک پہنچنے کا راستہ۔“

”تو کیا ان کے دل تک پہنچ گئیں آپ؟“ بچی اپنا ماتھا شیشے سے لگائے اندر جھانک رہی تھی۔

عصرہ نے سیٹ پہ ٹیک لگالی۔ اس کے چہرے پہ سکون تھا۔ نہ پریشانی نہ خوف۔ وہ شیشے کے پار آریا نہ پہ نظریں مرکوز کیے سوچ سوچ کے بولنے لگی۔

Downloaded from PakSociety.com



”کوئی کہتا ہے مرد کے دل کا راستہ معدے سے گزرتا ہے۔ کوئی کہتا ہے مرد کو قربانی اور وفا سے جیتا جاتا ہے۔ کسی کو لگتا ہے مرد کو جتنا نظر انداز کرو اتنا وہ قریب کھینچتا ہے۔ مگر میں تمہیں بتاؤں آریانہ۔۔۔ چاہے مرد ہو یا عورت۔۔۔ سب کے دل کا راستہ دل سے ہی گزرتا ہے اور اس راستے پہ چلنے کی توفیق نصیب سے ہی ملتی ہے۔ کوشش سے نہ کسی کو خود سے محبت کروائی جاسکتی ہے نہ کسی کے پیچھے خود کو رول دینے سے اپنے نصیب سے بڑھ کے اس کا پیار مل سکتا ہے۔ تم سے پہلے فاتح کو صرف ایک انسان سے محبت تھی۔ وہ تھا خود وان فاتح۔ تم آئیں تو اس محبت میں شریک ہو گئیں۔ تم چلی گئیں تو وہ پھر سے وہی narcissist بن گیا جو وہ ہمیشہ سے تھا۔ عصرہ محمود کہیں بھی نہیں تھی۔“

”آپ کے والد آپ کو منع کرتے تھے۔“

عصرہ کے لبوں پہ اداس مسکراہٹ بکھری۔

”میرے والد عقلمند انسان تھے اور تب مجھے غلط لگتے تھے۔“ اس نے سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا اور اوپر چھت سے نکلنے ریڈنگ لیپ کو دیکھنے لگی۔

”نگران کا تجربہ درست تھا۔ میری ریاضتیں بے سود تھیں۔“ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اسٹڈی کی کرسی پہ بیٹھی خود سے باتیں کر رہی تھی۔

”میں نے اس ایک آدمی کے پیچھے سب چھوڑ دیا۔ اپنے باپ کی ناراضی مول لی۔ اس کی بہن کو اپنی بیٹی بنایا۔“ وہ اپنے سو دو زبان گن رہی تھی۔ اسے سب انگلیوں پہ یاد تھا۔ ”میں نے اپنا کیریئر چھوڑا۔ ایک وکیل سے ایک ہاؤس وانف بنی۔ اس کے لئے امریکہ بھی چھوڑ دیا۔ سیاسی بیوی بھی بنی اور سیاسی ایکٹوسٹ بھی۔ اس کے بچے بھی پالے۔ ملایشیاء آ کے خود کو ایک آرٹ گلیکٹر کے طور پہ بھی منوایا۔ میں نے وان فاتح کی بیوی کا کردار کتنی محنت سے نبھایا اور اس نے پل بھر میں تالیہ مراد کو میرے برابر لا کھڑا کیا؟ غلطی کہاں ہوئی آریانہ؟“

کھڑکی میں کھڑی بچی نے انگلی سے دستک دی۔ ٹھک ٹھک۔ عصرہ نے آنکھیں کھولیں اور بالکونی کے شیشے کو دیکھا۔ خون آلود سفید فراک والی بچی وہیں تھی۔ اس کی سانسوں کی بھاپ نے شیشے کو دھندلا دیا تھا۔ دھند کے پار نظر آتے آریانہ کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔ اور تمسخر بھی۔

”اتنی ریاضتوں کے بعد بھی ڈیڈ کی محبت نہیں ملی آپ کو۔“

”کہانا۔ محبت نصیب سے ملتی ہے۔ کوشش سے نہیں۔“

”غلط ماما۔“ آریانہ نے انگلی کے پورے سے دھندلے شیشے پہ لیکر کھینچی۔ اوپر سے نیچے سیدھی لکیر۔

Downloaded from Paksociety.com



”محبت نصیب سے ملے یا کوشش سے، مگر کسی ایک شخص کو پانے کے لئے دوسرے کو نقصان دینے سے تو یہ کبھی نہیں ہلتی۔ آپ کو شاید ڈیڈ کی محبت مل جاتی اگر آپ میرے ساتھ وہ سب نہ کرتیں۔“

آریانہ نے انگلی سے ایک افقی لکیر کھینچی تو دھند میں صلیب بن گیا۔ صلیب کی درز سے عصرہ کو اس کی ناک اور آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں جن میں نفرت اور چھین تھی۔

”تم مجھے پہلے دن سے بری لگتی تھیں۔“ وہ دھند میں کھینچی صلیب کو دیکھ کے بے خودی کہنے لگی۔

”وہ تمہارے علاوہ کسی کی طرف دیکھتا ہی نہیں تھا۔ میں اس کے سامنے تم سے پیار کرتی تھی۔ اس کے پیچھے تمہیں اگنور کرتی تھی مگر یہ کردار نبھاتے نبھاتے میں ٹھکنے لگی تھی۔ پچھتے سال بہت ہوتے ہیں۔ میں نے تمہیں بورڈنگ بھجوانے کی بہت کوشش کی مگر وہ راضی ہی نہیں ہوتا تھا۔ اس نے سکندر اور جولیا نہ سے کبھی وہ محبت نہیں کی جو تم سے کی تھی۔ اشعر بھی تم سے پیار کرتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے باپا کو بھی تم بری نہیں لگتی تھیں۔ تم نے ہر ایک کا دل جیت لیا اور میں اپنی غرتوں میں اکیلی رہ گئی۔ میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ میں تمہیں وہاں سے ہٹا دوں۔“

”اور پھر آپ نے سوچا کہ مجھے ہٹانے کے لیے مجھے اغوا کرادیا جائے اور اسی لیے آپ نے وہ عینی ہار کی۔“

”ہاں۔ میں نے ایسا کیا۔“ عصرہ نے شانے اچکائے۔ ”باپا کا پرانا قادیان آدمی میرے کام آیا۔ اس نے ہر چیز یوں پلان کی تھی کہ آریانہ کے اغوا کا الزام صوفیہ رطمن کے باپ عبدالرطمن پہ آئے گا۔ میں نے اسے کہا تھا کہ وہ تمہیں اس شہر سے دور لے جائے۔ اتنی دور جہاں سے تم واپس نہ آ سکو۔ کسی کوچ دے۔ کسی دور پار کے یتیم خانے میں بھیج دے۔ بس تم چلی جاؤ تاکہ فاتح کچھ اور دیکھ سکے۔ واللہ میں تمہیں مارنا نہیں چاہتی تھی....“

”شہر سے دور بھیج دو؟ کہیں چھوڑ آؤ؟ میں انسان کا بچہ تھی یا بلی کا؟“ ہار کھڑی لڑکی کی آنکھوں میں سرخ نمی اتر رہی تھی۔

”واللہ میں تمہیں نہیں مارنا چاہتی تھی آریانہ۔ میں صرف تمہیں اس کی نظروں سے دور کرنا چاہتی تھی۔“

”مگر جب آپ کے آدمی نے پوچھا کہ اگر آریانہ کو خبر ہوگئی کہ اصل اغوا کار کون ہے تو آپ نے اسے کیا کرنے کا کہا تھا؟“

دھندلی صلیب کے پار کھڑی لڑکی اسے یاد دلانے لگی۔ عصرہ چپ رہ گئی۔ آریانہ نے ہاتھ اوپر سے نیچے لاکے شیشے کی دھند صاف کی۔

”آپ نے کہا تھا.... اگر بات یہاں تک آجائے تو اس کو مار دینا۔ سوائے فاتح کے اس کے لئے کوئی روئے والا نہیں ہو

Downloaded from PakSociety.com



”گا۔“

”مگر سب سے زیادہ میں روئی تھی۔“ عصرہ کی آنکھوں کے گوشے بھیکے۔ ”اتنا روئی تھی کہ بیمار پڑ گئی۔“

”اپنے گلبٹ اور پکڑے جانے کے خوف سے روئی تھیں آپ۔ اور پھر آپ کو اتنے سال اسی خوف کے ہاتھوں میں غم اپنے

لو پر طاری کیے رکھنا پڑا۔ آریانہ جا کے بھی آپ کی زندگی سے نہیں گئی۔“

”ہاں۔ تم مر گئیں مگر میری خوشیوں کو اپنے ساتھ لے گئیں۔ یہاں تک کہ آریانہ کا غم اصل آریانہ سے بڑا ہوتا گیا۔ قاتح کا

دل مردہ ہو گیا اور میرے جذبات نے خود کو خود ہی مار ڈالا۔ ہم اجنبی ہوتے گئے۔ پتھر کے دلوں والے دور بوٹ جو اس گھر

میں رہتے تھے مگر تم نے تب بھی بس نہیں کی۔“ عصرہ نے پلکیں اٹھا کے اب کے نفرت سے شیشے کے پار کھڑی لڑکی کو دیکھا۔

”تم نے مر کے بھی میری زندگی میں زہر گھولنا نہیں چھوڑا۔ جانتی ہو تم نے کیا کیا؟“

وہ اب غصے سے غرار ہی تھی۔

”تم آریانہ.... تم تھیں جو اسے وہ اسٹیج ڈرامہ دکھانے لگی تھیں۔ تم تھیں جو تالیہ مراد.... تالشہ.... کو اس کی توجہ میں لائی تھیں۔

میرے ساتھ سارے ظلم تم نے ہی کیے ہیں۔ میرے سب حساب تمہاری طرف ہی نکلتے ہیں۔“

پھر انگلیوں والے ہاتھ کرسی کے ہتھ پر رکھ کے اٹھی اور پورے قد سے شیشے کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ آریانہ نے شیشے

سے ہاتھ ہٹا دیے اور چند قدم پیچھے ہٹی۔ دونوں کے درمیان اب کانچ کی دیوار حائل تھی۔ عصرہ نے تلخی سے مسکرا کے اسے

دیکھا۔

”جو میں نے تمہارے ساتھ کیا“ مجھے اس کا کوئی افسوس نہیں ہے۔ دس دفعہ موقع ملا تو دس دفعہ بھی کروں گی۔“ شیشے کے

قریب چہرہ کر کے وہ پھٹکاری۔

”مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔“ عصرہ اس پہ نظریں جمائے چبا چبا کے بولی۔ آنکھ کے گیلے گوشے ہتھیلی کی پشت سے رگڑے تو

مسکارا ڈرا سا پھیلا۔

”اب عصرہ محمودان دونوں کو اس طرح سے الگ کرے گی کہ وہ کبھی ایک ہو ہی نہیں سکیں گے۔“ پھر اس نے کلائی کی

گھڑی دیکھی۔

”وہ ابھی بھی وہیں ہوگا۔ مگر خیر.... اس کو لگا نے دو تالیہ کے گھر کے چکر۔ جلد ہی عادت ٹوٹنے والی ہے۔“ گھڑی سے سر

ہٹایا اور اوپر دیکھا تو شیشے کے پار ہالکونی خالی پڑی تھی۔

آریانہ جا چکی تھی مگر وہ جانتی تھی کہ آریانہ ان کی زندگیوں میں سے ایسے کبھی نہیں جائے گی۔

Downloaded from PakSociety.com



اب کی دفعہ کسی اور کو چاہنا ہوگا۔

☆☆=====☆☆

حالم کا بنگلہ اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ چاند اور تاروں کو ہا دلوں نے ڈھک رکھا تھا جس سے بنگلے پہ سایہ پھیل گیا تھا۔ ویرانی اور اداسی کا اپنا سایہ جو اس کے گھر کے مالک کی واپسی تک نہیں چھٹتا تھا۔

باہر اسٹریٹ کے کونے میں ایک گاڑی میں بیٹھا آدمی بنگلے کو دیکھتے ہوئے نون کان پہ لگائے کہہ رہا تھا۔

”مسز عصرہ.... ان کی کار وہیں باہر کھڑی ہے اور وہ کچھ دیر ہوئی اندر گئے ہیں۔ جی.... چے تالیہ کی کار بھی اندر کھڑی ہے مگر میرا نہیں خیال کہ وہ گھر میں موجود ہیں۔ کیونکہ لیٹر باکس ڈاک اور بلز سے بھرا ہوا ہے اور ہر روز اس میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اوکے ٹھیک ہے میں واپس آ جاتا ہوں۔“ اس نے اثبات میں سر ہلایا اور فون نیچے کر لیا۔ پھر کارا شارٹ کرنے لگا۔

بنگلے کے اندر.... بنیم تار یک لاؤنچ میں وہ کھڑا تھا۔ کوٹ تہہ کر کے بازو پہ ڈالے وہ گردن اٹھائے اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ کچن کی جی جلی تھی۔ باقی تمام بتیاں گل تھیں۔ وان فاتح سارے دن کا تھکا ہارا تھا، مگر اس گھر میں کھڑے ہوئے تھکاوٹ کا احساس تک نہ ہوتا تھا۔ وہ جیسے کسی دھنسا طیسی کشش کے باعث ہر رات یہاں آتا تھا، مگر جس کی جستجو تھی وہ یہاں موجود نہیں تھی۔

اس نے کھڑے کھڑے گردن موڑی تو چونکا۔ میز پر رکھی ٹوکری خالی تھی۔ وہ خطوط وہاں نہیں تھے۔ وہ چند لمحے اس ٹوکری کے خالی دامن کو دیکھتا رہا، پھر موبائل نکالا۔

”دولت.... تالیہ کہاں ہے؟“ نون کان سے لگائے رابطہ ملتے ہی وہ بولا تھا۔

”وہ یہاں سے چلی گئی تھی۔ پرسوں۔“

”کیا وہ اپنے گھر آئی تھی؟“ وہ چہرہ جھکائے خالی ٹوکری کو دیکھ رہا تھا۔

”ہاں۔ مگر آج صبح وہ ملک سے بھی چلی گئی ہے۔ اس نے وزیراعظم صاحبہ سے ڈیل کر لی ہے۔ کہاں گئی ہے یہ تمہارا اگلا

سوال ہوگا۔ نہیں بتا سکتا یہ میرا اگلا جواب ہے۔“ دولت میکا کی انداز میں کہہ رہا تھا۔

”میرا اگلا سوال یہ نہیں تھا۔“ فاتح نے گہری سانس لی۔ ”وہ ٹھیک تھی؟“

”بہترین تھی۔“ اس کے انداز میں تلخی تھی۔ ”مگر تم ٹھیک نہیں لگ رہے۔“ وہ رکاوٹ پر زور سے بولا۔ ”تم شادی

شدہ ہو فاتح۔ تمہارا اس لڑکی میں اتنی دلچسپی لینا تمہارے لئے مسئلے پیدا کر سکتا ہے۔“

”جس دن تم نے مجھ سے جنوٹ بول کے تالیہ کو اس کے گھر سے دور کیا تھا اس روز تم نے میرے دوست کا مقام کھو دیا تھا“

**Downloaded from Paksociety.com**



دولت۔ تم اب مجھے کوئی نصیحت کرنے کا حق نہیں رکھتے۔“ رکھائی سے کہہ کے فاتح نے فون نیچے کر لیا۔

”کیا میں نے بھی آپ کا دوست ہونے کا مقام کھو دیا ہے؟“

آواز پہ وہ چوٹکا۔ گردن گھمائی۔

اوپر جاتی تاریک سیڑھیوں پہ کوئی ہیولہ سا نمودار ہوا۔ اور زینے اترنے لگا۔ وان فاتح نے آنکھوں کی پتلیاں سکڑیں۔

نیم اندھیرے میں اس کے خدو خال واضح نہ تھے مگر وہ اس نوجوان کو صرف اس کی آواز سے پہچان سکتا تھا۔

”مجھے نہیں معلوم تھا کہ ہم دوست ہیں۔“ فاتح کے تاثرات قدرے سخت ہوئے۔

ایڈم نے آخری سیڑھی پہ پہنچنے کے دیوار پہ ہاتھ مارا۔ پل بھر میں سارا لالوئج روشن ہو گیا۔ تیز روشنی سے فاتح کی آنکھیں

قدرے چندھیا گئیں۔ اس نے گردن پیچھے کی۔ پھر ذرا آنکھیں دیکھنے کے قابل ہوئیں تو اس نے دیکھا ایڈم سیڑھیوں کے

دہانے پہ کھڑا تھا۔

اس کی شکل پہ ایسی دیرانی اور اداسی تھی جو شاید اس بنگلے کی دیواروں میں بھی نہ تھی۔ شیو ذرا بڑھی ہوئی تھی۔ ہال ماتھے پہ

نکمرے تھے۔ وہ گلابی آنکھوں میں شکوہ لئے وان فاتح کو دیکھ رہا تھا۔

”ایک زمانے میں ہم دوست تھے سر۔ چھوٹے..... (انگلی اور انگوٹھے کے درمیان ذرا سا خلا بنا کے دکھایا) بہت چھوٹے

عرصے کے لئے مگر آپ میری راہنمائی کرتے تھے۔ میں آپ سے سوال پوچھتا تھا اور آپ جواب دیتے تھے۔ کیا اب بھی میں

سوال پوچھ سکتا ہوں سر؟“

فاتح نے بھنویں اکٹھی کر کے غور سے اس کی حالت دیکھی پھر کوٹ ایک صوفے پہ ڈالا اور دوسرے پہ بیٹھتے ہوئے سپاٹ

سابلولا۔

”ہوں۔ پوچھو۔“ ٹپک لگا کے ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور تھوڑی بلند کر کے سامنے کھڑے نوجوان کو دیکھا۔ بی این کے صدر

کے سامنے ایک پرانا ہاڈی مین کھڑا تھا۔

”آپ یہاں ہر رات کیوں آتے ہیں؟“

”ہر رات؟“ فاتح نے ابرو اٹھائی پھر ایک نظر خالی ٹوکری کو دیکھا۔

”نہیں سر میں نے وہ خط نہیں پڑھا۔ بے فکر ہیں۔“

وان فاتح نے مسکرا محظوظ انداز میں اسے دیکھا۔

”تمہیں لگتا ہے اگر تم وہ خط پڑھ لیتے تو مجھے فکر ہوتی؟ اگر ایسا تھا تو میں ان کو امی میل کر دیتا یوں اس گھر کی میز پہ نہ چھوڑتا

Downloaded from PakSociety.com



جس کی چابی بہت سے لوگوں کے پاس ہے۔“ پھر ہلکے سے شانے اچکائے۔ ”وان فاتح چھپ کے کام نہیں کرتا۔ جو کرتا ہے ٹڈر ہو کے کرتا ہے۔ تم کیا عنصر بھی وہ خط پڑھ لے تو مجھے فرق نہیں پڑتا۔“

”میرا سوال وہیں ہے سر۔ آپ یہاں کیوں آتے ہیں۔ آپ بی این کے صدر ہیں۔ میں نے کبھی آپ کو (قدیم ملاکہ میں بھی... دل میں کہا) اتنا ایجنٹ نہیں دیکھا۔“

وہ دھیرے دھیرے چلا اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔ شکوک و شبہات میں لپٹی نظریں اس پہ جمی تھیں۔

”آپ بچے تالیہ کے لیے یہاں کیوں آتے ہیں؟“

فاتح نے گردن اٹھا کے عجیدگی سے اسے دیکھا۔

”کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ جب وہ واپس آئے تو وہ یہ جان لے کہ اس کو مس کیا گیا ہے۔ اس کا انتظار کیا گیا ہے۔“

ایڈم کے حلق میں پسنداسا لگا۔ ”اور آپ ان کا انتظار کیوں کرتے ہیں۔“

”کیونکہ وہ میرے لئے اہم ہے ایڈم۔“ وہ اس کو دیکھتے ہوئے اب کے نرمی سے بولا۔ ”وہ ہماری زندگی میں ایک غیر

مطلوب اضافے کے طور پہ داخل ہوئی تھی مگر پھر اس نے میرا اتنا ساتھ دیا کہ میں خود کو اس کا مقروض سمجھنے لگا ہوں۔ وہ میرے

لئے بہت اہم ہے اور میں چاہتا ہوں کہ وہ واپس آ جائے اور ایک صاف ستھری زندگی گزارے۔“ وہ سادگی سے کہہ رہا

تھا۔ ”بی این کا صدر ہونے کے باوجود مجھے اس کے گھر آتے ہوئے خود کو چھوٹا نہیں کرنا پڑتا ایڈم۔ اس کو خط لکھنے سے میں

چھوٹا نہیں پڑ جاؤں گا۔“ پھر پتلیاں سکڑ کے ذرا تنقیدی نظروں سے اسے دیکھا۔ ”تم بتاؤ۔ تم نے اسے ڈھونڈنے کے لیے کیا

کیا؟“

”میں جانتا ہوں وہ ٹھیک ہیں۔ اور انہیں کم از کم اس وقت میری پرواہ نہیں ہوگی۔ اور ابھی آپ کے اسپیکر فون پہ آپ کا

دوست بھی تصدیق کر رہا تھا کہ وہ ملک سے باہر چلی گئی ہیں۔ وہ اپنی آزادی کی تلاش میں ہیں۔ اس لئے میں ان کے بارے

میں نہیں آپ کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔“

وان فاتح نے پہلے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی اور پھر اسے دیکھا۔ ”ابھی تمہارے سوال رہتے تھے؟“

ایڈم سامنے والے صوفے پہ آگے ہو کے بیٹھا اور اس کی آنکھوں میں غور سے دیکھا۔

”آپ ہمیشہ کہتے ہیں کہ آپ کے پاس چھپانے کو کچھ نہیں ہے۔ میں آپ سے ایک سوال کا سچا جواب چاہتا ہوں۔“

فاتح بظاہر اطمینان سے اسے دیکھ رہا تھا مگر چہرے پہ ہلکی سی برہمی در آ رہی تھی جیسے اسے خود کو یوں کٹھرے میں لانا پسند نہ آیا

ہو مگر اپنا بزنس فیس قائم رکھے اس نے حوصلہ افزاء انداز میں سر کو جنبش دی۔ وہ اب ایک رپورٹر تھا اور عین ممکن ہے کسی بٹن

Downloaded from PakSociety.com



کمرے سے فاتح کی ویڈیو بنارہا ہو۔

”کیا آپ کی کلائینڈ اینڈ لی یا کہیں اور... کوئی آف شور کمپنی ہے؟“

پوچھتے ہوئے ایڈم کے ذہن میں تالیہ کا بتایا گیا نسخہ گونجا۔

(”اگر تم نے جاننا ہو کہ تمہارے سوال کے جواب میں سامنے والے نے جھوٹ بولا ہے یا سچ تو اس کا تعین اس کے ”ہاں“

یا ”نہیں“ سے مت کرنا۔ وہ انکار یا تصدیق کے ”بعد“ کیا کہتا ہے وہ اہم ہوتا ہے۔“

”کیسے؟“ ایک زمانے میں کم علم اور سادہ سے ایڈم نے پوچھا تھا۔

”بہت سہل۔ جھوٹا شخص جواب دے کر فوراً سے اگلا فقرہ اپنی صفائی میں بولے گا۔ مگر سچ آدمی کا اگلا فقرہ تمہاری ذات پہ

سوال اٹھانے والا ہوگا۔ انسان کے پاس چھپانے کو کچھ نہ ہو تو وہ اپنی صفائی نہیں دیتا“ دوسرے کے سوال کا سیاق و سباق

جاننے کی کوشش کرتا ہے۔“

ایڈم کے سوال پہ فاتح کے ابرو تعجب سے سا کٹھے ہوئے۔

”نہیں۔ تمہیں ایسا خیال کیوں آیا کہ میرے پاس کوئی آف شور کمپنی ہو سکتی ہے؟“

وہ ایڈم کے سوال کا سیاق و سباق پوچھ رہا تھا۔

ایڈم نے گہری سانس خارج کی۔ ”یعنی آریانہ ہولڈنگ آپ کی نہیں ہے؟“

”واٹ آریانہ ہولڈنگ؟“ اس کی آنکھوں میں الجھن بھری۔

ایڈم نے کوٹ کی جیب سے ایک پھولا ہوا لفافہ نکالا اور اس کی طرف بڑھایا۔ فاتح نے عینک نکال کے ناک پہ جمائی اور

اس لفافے کے کاغذات کو کھولا۔ ابرو بھنچے اس نے پہلے تعجب اور پھر برہمی سے اس کاغذ کو پڑھا، پھر چشمے کے اوپر سے ایڈم کو

دیکھا۔

”یہ کوئی مذاق ہے کیا؟“

”سر... یہ آپ کے نام پاسپورٹ اور آپ کے دستخط سے بنائی گئی آف شور کمپنی ہے۔ کیا یہ آپ نے نہیں بنائی؟“ وہ امید

اور خوف کے درمیان پوچھ رہا تھا۔

”واٹ ریش؟ میں نے کبھی ایسی کوئی کمپنی نہیں بنائی۔“ فاتح سیدھا ہو کے بیٹھا اور قدرے غرور مندی سے ان کاغذات کو

کنکھا لئے لگا۔ ”مجھے نہیں یاد کہ میں نے کبھی اس کمپنی کا نام بھی سنا ہو۔ یہ پیپر تمہیں کہاں سے ملے؟“

ایڈم الجھ گیا مگر اس کے کندھوں سے بہت سا بوجھ اترنے لگا۔ وہ مختصر الفاظ میں ساری تفصیلات بتاتا گیا۔ فاتح نے

Downloaded from PakSociety.com



کانغذات میز پہ ڈالے، عینک تہہ کر کے جیب میں رکھی اور سنجیدگی سے دیکھا۔

”یہ کانغذات ابھی فارنزک میں دو تو جعلی ثابت ہو جائیں گے۔“

مگر ایڈم اب کسی اور سچ پہ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے کی تلخی اٹھا ہو چکی تھی۔

”سر... کیا یہ ہو سکتا ہے کہ کسی نے آپ کے نام سے یہ کمپنی بنا دی ہو؟ یہ خاصی پرانی کمپنی ہے۔“

”ایسا کون کرے گا؟ اچھا اگر میرے جعلی دستخط بھی کوئی بنالے تو کلائڈ اینڈ لی کسی اور کو میرے نام سے کمپنی کیوں بنانے

دے گی؟ بے ایمانی کی دنیا میں بھی کاروبار ایمانداری سے چلایا جاتا ہے۔“

”مگر سر... صوفیہ زخمیں کی کمپنی بنائی تو صوفیہ نے تھی مگر وہ اس کی بیٹیوں کے نام ہے۔“ ایڈم سوچ سوچ کے بول رہا

تھا۔ ”تمام امراء اور رؤساء نے کمپنیز اپنے بیوی بچوں کے ناموں پہ بنا رکھی ہیں۔ کلائڈ اینڈ لی کمپنی کے اصل مالک کا نام

چھپا کے اس کے کسی فیملی ممبر کے نام سے کمپنی بنا دیا کرتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ....“ ایڈم نے احتیاط سے اس کا چہرہ دیکھا۔

”کمپنی کا اصل مالک آپ کا کوئی قریبی فیملی ممبر ہو۔“

”واٹ ریش۔ میرا کوئی فیملی ممبر ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔“ وہ جھڑک کے کہتا اٹھا اور تہہ شدہ کوٹ اٹھایا۔ ”اگر تمہیں یہ

کانغذات پبلک کرنے ہیں تو شوق سے کرو۔ وان فاتح کے پاس چھپانے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ کانغذات جھوٹے

نکلے تو میں ان کے خلاف ملائیشیاء کے ہر کورٹ میں جاؤں گا۔“ وہ برہمی سے کہہ رہا تھا۔ ایڈم ساتھ ہی اٹھا۔

”سر.... مجھے یہ پبلک کرنے پڑیں گے مگر آپ ایک دفعہ سبز عصرہ سے پوچھ لیں۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے....“

فاتح نے ہاتھ اٹھایا تو ایڈم کی چلتی زبان رک گئی۔

”میری زخمی کا نا جائز فائدہ مت اٹھاؤ ایڈم۔“ پھر ایک ناگواری بھری نظر ان کانغذات پہ ڈالی۔ ”صوفیہ نے میرے خلاف

جال بچھایا اور تم اس میں آ گئے۔ بہتر تھا کہ تم یہ وقت تالیہ کو تلاش کرنے میں صرف کرتے۔“

”وہ جہاں بھی ہیں، ٹھیک ہیں۔ اس لئے ہمیں ان کو نہیں خود کو تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اب بھی....“ ایڈم تلخی سے

مسکرایا۔ ”اگر وہ ملک سے باہر چلی گئی ہیں وہ بھی ہمیں بتائے بغیر.... تو اس کا ایک ہی مطلب ہے۔“

وہ دونوں حالم کے لاؤنج میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ تناؤ کی کیفیت پھر سے دہرائی تھی۔

”اور وہ کیا؟“

”یہی کہ مجھے اپنی کتاب پہ کام کرنا ہے.... اور آپ کو ان کانغذات کے مقابلے میں اچھا وکیل اور اچھا ڈیفینس اپنانے کی

شدید ضرورت ہے کیونکہ وہ ہیں سچے تالیہ.... تو وہ....“ ایڈم کی مسکراہٹ زخمی سی نظر آنے لگی۔

Downloaded from PakSociety.com



”وہ نہیں جانتا چاہتیں کہ ان کے پیچھے کے ایل میں کیا ہو رہا ہے۔“

ایڈم کے الفاظ دل کو زخمی کرنے والے مگر طاقتور تھے۔ اتنے طاقتور کہ عالم کی داستان میں موجود کے ایل کے باب کو ان الفاظ نے کسی کتاب کی طرح ایک دم بند کر دیا..... یوں جیسے پڑھنے والے کے لئے اس باب میں سناٹا چھا گیا ہو۔

اعلیٰ اور خاموشی جو مجبور کر دے کہ کوئی لپور اور اس میں رہنے والوں کی داستان کو وہیں چھوڑ کے تم قاہرہ میں آ جاؤ جہاں.... ایڈم اور فاتح کی اس گفتگو سے اگلے روز.... تین دوپہر میں ایک کارملینک کے سامنے کھڑی تالیہ مراد کہہ رہی تھی کہ

ان دونوں کو ایک کتاب چرانی ہے۔

وہ بھی ایک رائٹر کے دماغ سے۔

☆☆=====☆☆

دھوئیں کی دیوار چھٹی تو تالیہ نے پہلی دفعہ اس کا چہرہ دیکھا۔

ملینک آستین کھینچ کر موڑے، واعدا شرٹ پہنے کھڑا تھا۔ وہ دراز قد اور صاف رنگت کا آدمی تھا البتہ چہرے گردن اور ہاتھوں پہ جگہ جگہ کالک کے نشان لگے تھے۔ پی کیپ نے ماتھے پہ سایہ کر رکھا تھا البتہ کپٹی پہ زخم کا ایک پرانا نشان جو غالباً کسی سر جری کی نشانی تھا واضح نظر آتا تھا۔ اس کی بھوری آنکھیں بہت گہری تھیں اور وہ ان میں شک و شبہ بھرے اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے اعز تک اترنے کی سعی کر رہا ہو۔

حالم کو قاہرہ کا ملینک پہلی ہی نظر میں شدید نا پسند آیا تھا۔

”کسی کے دماغ سے کتاب کون چرا سکتا ہے؟“ وہ اکھڑے اکھڑے انداز میں کہتے ہوئے جھکا اور زمین پہ رکھا کوئی پائپ بٹایا۔ پائپ تالیہ کے پیروں سے لگا تو اسے معلوم ہوا کہ اس تنگ گزر گاہ میں وہ پائپ رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ وہ پیچھے ہٹی تو ملینک نے فرنٹ ڈور بند کر دیا۔ راستہ کھل گیا۔ مگر اس نے تالیہ کو آگے آنے کے دھوت نہیں دی۔ بس ایک ہاس اٹھا کے بوٹ کے ساتھ چوکی پہ رکھا اور اس کا ڈھکیں کھولا۔ پی کیپ والا سراب جھک چکا تھا۔

”اگر کوئی اور چرا سکتا تو میری وزیر اعظم کو میری ضرورت نہ پڑتی۔“ وہ سینے پہ بازو لپیٹے جیکھی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اب ہاس میں ٹوٹر ڈال رہا تھا۔ جھکے سر کے ساتھ شانے اچکائے۔

”خیر۔ کون ہے وہ رائٹر؟“

تالیہ نے گردن موڑ کے ارد گرد کانوں کو دیکھا جہاں اوزاروں اور گاہکوں کی آوازوں نے شور برپا کر رکھا تھا۔

”جب تم مناسب جگہ پہ آؤ گے اور ہم کام شروع کریں گے تو بتا دوں گی۔ فی الحال.....“

Downloaded from PakSociety.com



”اور میری فیس کتنی ہوگی؟“ اس نے ہا کس بند کیا اور سر اٹھا کے تالیہ کو سنجیدگی سے دیکھا تو لمحے بھر کو وہ چپ رہ گئی۔  
(یہ فیس بھی لے گا اب؟)

”احمد نظام صاحب نے مجھے تمہارے پاس بھیجا تھا تا کہ تم غیر مشروط طور پہ میری مدد کرو اور اس جاب کو کامیاب بناؤ  
اور.....“

”فیس ایڈوانس ہوگی۔“ وہ ہا کس اٹھا کے مڑا اور اندر دکان کی طرف چلا گیا۔  
اس نے مٹھیاں ضبط سے بھینچیں۔ ماتھے پہ بل پڑ گئے۔ وہ کار کی سائیڈ سے نکل کے آگے آئی تو راستہ کھلا ہو گیا۔ سامنے  
دکان کا احاطہ تھا جہاں دیواروں پہ جگہ جگہ اوزار لگے تھے اور سپتیر پارٹس کھلے پڑے تھے۔ موٹل آئل کی ٹو اور کالک ہر جگہ تھی۔  
”دیکھو اس کام میں جو خرچہ آیا وہ میں اٹھاؤں گی مگر احمد نظام نے کہا تھا کہ تم بغیر فیس کے کام کرو گے کیونکہ وہ میرے  
مقروض ہیں۔“

”میں نہیں ہوں۔ مجھے یہ فیس چاہیے ہوگی۔“ اس نے ہا کس رکھا اور جیب سے ایک وزیٹنگ کارڈ جتنا کاغذ نکال کے اس  
کی طرف بڑھایا۔ سفید موٹے کاغذ پہ پہلے سے ایک رقم لکھی تھی۔  
(ارے واہ۔ یہ تو تیار بیٹھا تھا۔)

تالیہ نے کاغذ کو اوپر کر کے روشنی میں پڑھا۔ دکان کے اندر اندھیرا اور کالک تھی۔ دھوپ پیچھے سے آرہی تھی۔ رقم کے  
حروف نمایاں ہوئے تو تالیہ کے ماتھے کے بلوں میں اضافہ ہوا۔  
”اتنی فیس لے کر کیا کرو گے تم؟“

”دنیا میں کچھ بھی مفت نہیں ملتا۔“ رکھائی سے کہہ۔ کہو مڑا اور دیوار تک گیا۔ پھر جھک کے ایک بیچ کس اٹھایا۔  
تالیہ نے گہری سانس لی اور چٹ مٹھی میں دہالی۔

”خیر۔ میں یہ رقم تمہیں دے دوں گی۔ ایڈوانس کب تک چاہیے؟“  
”ہر روز۔ کام شروع کرنے سے پہلے۔“ اس نے جھک کے ایک ڈبے کا بیج کھولتے ہوئے کہا تو تالیہ کا دماغ بھک سے  
اڑا۔ اس نے دوبارہ سے اس چٹ کو پڑھا۔ ”یہ پورے کام کی فیس ہے یا یومیہ اجرت؟“  
آنکھیں نکال کے بے یقینی سے اس کی پشت کو دیکھا۔

اس سوال پہ وہ رک کا پھر آہستہ سے سیدھا ہوا اور مڑ کے اتنی ہی حیرت سے اس لڑکی کو دیکھا جو دھوپ میں کھڑی تھی۔  
”یومیہ اجرت؟ مادام میں گھنٹوں کے اعتبار سے کام کرتا ہوں۔ یہ ایک گھنٹے کی اجرت ہے مادام۔ میں ایک دن میں تین

Downloaded from PakSociety.com



سے چار گھنٹے دے سکتا ہوں تمہارے کام کو۔ اس سے زیادہ نہیں۔“ رکھائی سے کہہ کے وہ واپس اپنے باکس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

تالیہ کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔ اس نے اس چیٹ پہ لکھی رقم کو دوبارہ گھورا ذہن میں ضرب تقسیم کیا اور پھر.... غصے سے اس چیٹ کو مروڑ دیا۔

”میرے پاس ملاکہ سلطنت کے خزانے نہیں ہیں جو میں یہ رقم تمہیں دے سکوں۔ اور مجھے کیا معلوم تم کسی اہل بھی ہو یا نہیں؟ کرتے کیا ہو تم؟ اسکا مرہو؟ چور ہو؟ کیٹ برگلر؟ یا سراغ رساں؟“

وہ اب بچوں کے ہل زمین پہ بیٹھا دو انگلیوں سے چیچ کھول رہا تھا۔ اس سوال پہ ذرا سے شانے اچکائے۔

”کہانا۔ مکینک ہوں۔“

”گڈ۔ تمہیں تمہاری یہ ورک شاپ مبارک ہو۔ میں اپنا کام خود کر سکتی ہوں۔ فی گھنٹہ اجرت“ مائی فنٹ۔“

بیرخ کے مڑی۔

”تم بھی تو فی گھنٹہ اتنی ہی فیس لیتی ہو، عالم۔“ اس نے چیچ کس رکھا اور اٹھا۔

تالیہ اپنی جگہ ٹھہر گئی اور پھر دھیرے سے مڑی۔

وہ اب کونے میں بنے سنک کی طرف بڑھ گیا تھا۔ وہ ماتھے پہ ہاتھ کا چھبانا کے فور سے اس کی پشت کو دیکھنے لگی۔

مکینک نے ٹوپی اتار کے ایک طرف رکھی تیز دھار تل کھولا اور سر جھکا کے منہ پہ پانی ڈالا پھر ہاتھ دھونے لگا۔ پانی کی آواز سارے شور پہ حاوی ہونے لگی۔

وہ کچھ دیر تک نہر بولی تو جہان نے سراٹھا کے آئینے میں اس کا چہرہ دیکھا۔

”اس رقم کو اپنے ملک کی کرنسی میں تبدیل کرو تو یہ عالم کی فی گھنٹہ اجرت کے برابر بنتی ہے۔ اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو؟“

گد لے آئینے میں نظر آتے تالیہ کے چہرے پہ طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔

”اوہ۔ تمہیں لگتا ہے کہ تم مجھے حیران کر رہے ہو۔ غلط۔ تم میرے بارے میں بہت کچھ جانتے ہو گے۔ مگر.... تم مجھے نہیں

جانتے۔“

جہان نے ساتھ رکھا رومال اٹھایا اور ہاتھوں کی گیلی کا لک کو اس سے پونچھتا تالیہ کی طرف کھوا۔

”میں اتنا جانتا ہوں کہ صوفیہ رٹھیں نے تمہیں لا محدود فنڈز دیے ہیں۔ جب اس رقم پہ راضی ہو جانا تو مجھے کال کر

لینا۔ کیونکہ مجھے پیسوں کی ضرورت ہے اور میں بغیر فیس کے کام نہیں کروں گا۔“ وہ رومال سے اب پوروں پہ لگی کا لک درگڑ

Downloaded from PakSociety.com



کے اتار رہا تھا۔

”کیونکہ تم ایک غریب ملکینک ہو؟“

”وہ تو تمہیں نظر آ رہا ہے۔“ تالیہ کی آنکھوں میں غور سے دیکھتے ہوئے جہان نے کندھے اچکائے۔

”میں بتاؤں مجھے کیا نظر آ رہا ہے اُنچے جہان؟“

اس نے استہزائیہ اور اٹھائی اور پھر آنکھوں میں چمک لئے مسکرائی۔

”مجھے ایک ایسی دکان نظر آ رہی ہے جو تم نے شاید کل ہی کھولی ہے۔“ چہرہ گھما کے اطراف کا سرسری سا جائزہ لیا۔ ”اچھا

کور بنانے کے لئے ایک ہی دن میں تم نے اچھی دکان سیٹ کر لی ہے کسی کی کھٹارا گاڑی بھی کھڑی کر دی، چند جعلی گاہک بھی

بلا لئے (ہاتھ سے دور کھڑے ایک دوسرے ملکینک سے مخاطب آدمی کی طرف اشارہ کیا۔) ارد گرد کے دکانداروں کو پیسے

دے کر یہ بھی کہہ دیا ہو گا کہ کسی کو بتانا نہیں کہ یہ دکان کل ہی کھولی گئی ہے کیونکہ تم نہیں چاہتے کہ ملائیشاء سے آئی لڑکی کو تمہارا

اصل پیشہ معلوم ہو مگر اتنا اچھا کوڈ نہیں بنایا تم نے۔ سوری....“ وہ ہمدردی سے کہہ رہی تھی اور وہ ہاتھ صاف کرتے ہوئے

چپ چاپ گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”میں اگر تمہاری جگہ اس شاپ کو آلودر کشتاپ بناتی تو تمہاری طرح جگہ جگہ سے دیواریں کالی نہ کرتی۔ اصل ورکشاپ کی

دیواروں کی کالک نیچے سے اوپر تک آتی ہے۔ نیچے سب سے زیادہ سیاہی۔ اوپر آتے آتے تک وہ ہلکی ہو جاتی ہے۔ اور

عموماً آدمی دیوار تک ٹٹم ہو جاتی ہے۔ اور ہاں اگر تم روزانہ ورکشاپ میں کام کرتے تو تم نے سنک کے ساتھ کیپ لٹکانے

کے لیے کھوٹی بنائی ہوتی کیونکہ تمہیں دن میں کئی دفعہ منہ دھونا پڑتا ہو گا۔ اسٹل۔ ٹائرس ورک۔ رہی بات فیس کی تو میرے ساتھ

احمد نظام نے فیس کی بات نہیں کی تھی۔ میں تمہارے بغیر بھی یہ کام کر لوں گی۔“

چٹ کوٹھی میں مروڑتے ہوئے وہ پیرٹخ کے مڑ گئی۔

”شیور۔ بائے۔“ وہ آدمی شرمندہ ہوئے بغیر ہاتھ رومال سے رگڑتے ہوئے اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتی آگے چلتی جا رہی تھی۔ اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہ تھی وہ خود یہ کام کر لے گی۔

دکانوں کا شور دور ہوتا جا رہا تھا وہ اندھیرے سے نکل کے دھوپ سے روشن سڑک پہ آگے بڑھ رہی تھی۔

☆☆=====☆☆

تالیہ ہوٹل کے کمرے میں واپس آئی تو جھنجھلاہٹ سے برا حال تھا۔ اس نے دروازہ بند کیا، جوتے ایڑیوں سے رگڑ کے

اتارے، پھر اسی برہمی سے پرس اور چابیاں پرے پھینکیں، نور خود غصے سے صوفے پہ ڈھیر ہو گئی۔

Downloaded from PakSociety.com



ایک تو گرمی اور اوپر سے اس مکینک کی باتوں نے اسے تپا دیا تھا۔ اسے احمد نظام کی پیشکش قبول ہی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ وہ تالیہ مراد تھی۔ اسے کسی کی مدد نہیں چاہیے تھی۔ نیا ملک ہے تو کیا ہوا وہ خود ہی کوئی نہ کوئی راستہ نکال لے گی۔ کچھ دیر وہ اسی طرح بیٹھی رہی یہاں تک کہ اندر کا شور تھا تو کمرے کی خاموشی سنائی دینے لگی۔ اتنی خاموشی اتنی دیرانی کہ تالیہ کا دل ہولنے لگا۔

اس نے صوفے پہ نیم دراز بیوٹ اٹھایا اور ٹی وی آن کیا۔ اسکرین روشن ہوئی اور ایک آدمی عربی میں خبریں پڑھتا نظر آیا۔ چند چینل سرف کیلے تو یہ برقی شور و دماغ پہ ہتھوڑے کی طرح برسنے لگا۔ تالیہ نے اکٹا کے ٹی وی بند کیا۔ پھر سے وہ خوفناک خاموشی چھا گئی۔ وہ اجنبی ملک میں اکیلی بیٹھی تھی۔

اس نے موبائل نکالا اور اسکرین روشن کی۔ واٹس ایپ آف تھا مگر ای میل آن تھی۔ داتن ایلم اور فاتح کی الگ الگ ای میلز آئی ہوئی تھیں۔ اس نے پڑھے بغیر ان کو ڈیلیٹ کر دیا تاکہ وہ اس کو نظر نہ آئیں اور یہ کرتے ہوئے چہرے پہ پتھر یلے تاثرات چھا گئے تھے۔

ایک دفعہ پھر کمرے کی خاموش دیواریں اس کو گھورنے لگیں۔ وہ میز پہ پھر رکھے سینے پہ بازو لپیٹے صوفے پہ نیم دراز چھت کو دیکھنے لگی۔

اب وہ کیا کرے؟ وہ یہاں کسی کو نہیں جانتی تھی اور یہ مکینک بھی ہاتھ سے گیا۔ اسے ایک دم پھر سے اس پہ غصہ آیا۔ پیسے چاہیے ہیں اس کو؟ وہ بھی اتنے سارے؟ دے ہی نہ دوں میں اتنے پیسے۔ ہونہ۔ اتنے داؤ بیچ ڈال کے اس نے مجھے اپنا پتہ بتایا اور جاتے ساتھ اتنی آسانی سے رقم لکھ کے پکڑا دی۔ نہ کام کی نوعیت جانی نہ کچھ اور..... مگر اتنی آسانی سے کیوں؟ وہ تو ہر بات کو کوڈز کی صورت لکھے والا آدمی معلوم ہوتا تھا..... پھر؟ وہ دھیرے سے سیدھی ہوئی۔ ذہن میں کوئی تھنٹی بچی تھی۔

تالیہ نے جلدی سے بیڈ پہ گرا پرس اٹھایا اور اندر ہاتھ ڈال کے وہ مڑی مڑی پرچی نکالی۔ وہ اسے ٹھیک سے مروڑ نہیں سکتی تھی اسی لئے پرس میں پھینک دیا تھا۔

مگر وہ اسے ٹھیک سے کیوں نہیں مروڑ سکتی تھی؟ ہاتھ پہ کاغذ کی تختی کا تاثر ابھی تک قائم تھا۔ مگر کیا وہ صرف کاغذ تھا؟ اس نے مولے گتے کا کارڈ سیدھا کیا۔ پھر اوپر اٹھا کے روشنی میں دیکھا۔ پرچی کے وسط میں کاغذ کی تہوں میں کچھ چھپا تھا۔



تالیہ کے چہرے پہ مسکراہٹ در آئی۔ یعنی اس مکینک کو پیسے نہیں چاہیے تھے۔ وہ خاموشی اور راز داری سے اس کو کوئی دوسرا پیغام پہنچانا چاہتا تھا۔ اس نے آہستہ سے کاغذ پھاڑا اور دو جہیں الگ کیں۔ اندر ناخن برابر چھوڑا۔ ساسم کارڈ تھا۔ نینو کارڈ۔ وہ کھلے دل سے مسکرا دی۔ ایک دم وہ کم برا لگنے لگا تھا۔

(جب اس رقم پر راضی ہو جاؤ تو مجھے کال کرنا۔)

کچھ دیر بعد وہ نیا فون خرید کے لائی اور اس نینو سم کارڈ کو اندر ڈالا۔ اندر ایک ہی نمبر محفوظ تھا۔ تالیہ نے اس پہ کال کی۔ ”یہ نیا فون ہے نا؟“ رابطہ ملتے ہی اس آدمی کی خشک مگر بھاری آواز کانوں سے ٹکرائی۔

”ہاں۔“ وہ بیڈ پہ آلتی پالتی کیے بیٹھی، گود میں کشن رکھے ہوئے تھی۔

”اپنی گورنمنٹ کے دیے گئے کریڈٹ کارڈ سے خریدا ہے؟“ وہ مشکوک تھا۔

تالیہ نے گہری سانس لی۔ ”اتنی عقل ہے مجھ میں اپنے (مسٹر)۔ اگر تم نے مجھے دوسری سم دی ہے تو اس لئے کیونکہ کچھلی ٹریک کی جارہی تھی۔ اس لیے نیا فون خرید کے نہیں چرا کے لائی ہوں۔ نندیکا رڈ نہ کوئی مسئلہ۔“

”گڈ۔ اب اپنے حکومتی ہینڈلر سے رابطہ کرو۔ پرانے فون سے اور اس کو ڈراؤ، دھمکاؤ جو بھی کرو مگر اس کو کہو کہ تمہارے ہونٹ کی لابی میں اس وقت جو سفید اسکرٹ والی عورت بیٹھی ہے اور جو ساری دوپہر تمہارا پیچھا کرتی رہی ہے، اس کو تمہارے تعاقب سے ہٹا دیں۔ میں نہیں چاہتا تمہاری وجہ سے کوئی میرا تعاقب کرے۔“

”اس کی اسکرٹ ذرا دھوئی سفید نہیں۔“

”گڈ۔ میں صرف چیک کر رہا تھا کہ تم نے اسے نوٹس کیا یا نہیں۔“

”نوٹس کیا تھا۔ تبھی تو بازار میں اس کو ڈچ کر دیا تھا۔ وہ تمہاری دکان تک نہیں آئی تھی۔“

”جانتا ہوں۔ بہر حال اپنے ہینڈلر کو کال کرو اور اپنے پیچھے سے اس ٹیل کو ہٹاؤ۔ پھر ہم کام شروع کریں گے۔“

”شیور۔ کوئی اور حکم؟“ وہ طنز سے بولی مگر وہاں سے رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔ تالیہ کا موڈ ایک دم ہی اچھا ہو گیا۔ وہ تنہا نہیں تھی۔ اور اب وہ اس کام کو جلد سے جلد مکمل کر کے یہاں سے جاسکے گی۔

”دولت صاحب۔ کیسے مزاج ہیں۔“ تھوڑی دیر بعد وہ گود میں ٹکیدے کھے خوش مزاجی سے فون پہ کہہ رہی تھی۔

”اچھا ہوں۔ آپ بتائیں۔ کام ہو رہا ہے؟“

”کام تو تب ہو گا جب آپ کے لوگ اتنے اعلانیہ طریقے سے میرا تعاقب نہیں کریں گے۔“ وہ مسکرا کے انگلی پہ سیارہ لٹ

لیٹتی ہوئی کہہ رہی تھی۔ ”دیکھیں آپ کو میرا تعاقب کرنا ہے تو شوق سے کروائیں۔ نہ میں نے بھاگنا ہے نہ مجھے کسی کا ڈر

**Downloaded from Paksociety.com**



ہے۔ لیکن تعاقب کار اگر میری نظر میں آسکتے ہیں تو کسی اور کی نظر میں بھی آسکتے ہیں۔ یوں میرا کور خراب ہوگا اور وہ مارگٹ کو علم ہو جائے گا۔ باقی مجھے آپ آرام سے فالو کریں۔ مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بس مجھے کوئی اپنے پیچھے نظر آیا تو میں نے یہ کام چھوڑ کے غائب ہو جانا ہے۔ پھر کون ہیک کرنے کا مارگٹ کاؤ ہن؟“

”میں.... سو رہی.... یہ بس معمول کے پروٹوکولز ہوتے ہیں۔ ڈونٹ وری اب کوئی آپ کا تعاقب نہیں کرے گا۔“ وہ شرمندگی سے معذرت کر رہا تھا۔

”کہہ دیا ان کو کہ میرا تعاقب نہ کریں۔“ تھوڑی دیر بعد وہ فون پہ کہہ ہی تھی۔ ”مگر ہم دونوں جانتے ہیں کہ....“

”کہہ دہ تمہارا تعاقب قبر تک نہیں چھوڑیں گے، حال۔ گورنمنٹ کے لئے کام کرنے سے پہلے تمہیں یاد رکھنا چاہیے تھا کہ نہ وہ تمہیں کبھی معافی دیں گے نہ تم سے کام لینا چھوڑیں گے۔“ وہ رکا۔ ”سنوٹز کی... ابھی بھی چالس ہے۔ بھاگ جاؤ۔“

”تم میری فکر نہ کرو۔ یہ بتاؤ کہ تم میری مدد کیسے اور کب کرو گے۔“ وہ رکھائی سے بولی۔ جواب میں اس نے گہری سانس لی۔

”تمہارے تعاقب کار تمہارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے اس لیے تمہیں آج اپنا ہوٹل بدلنا ہوگا۔ اب وہی کرو جو میں کہہ رہا ہوں۔“

وہ سنجیدگی سے ہدایات دے رہا تھا اور وہ قدرے ناگواری سے سن رہی تھی۔ اسے ڈکلیشن پسند نہیں تھی مگر مجبوری تھی۔

☆☆=====☆☆

رات گہری ہو رہی تھی اور قاہرہ کے اس شاندار سے ہوٹل کی روشنیاں تیز ہو چکی تھیں۔ ہوٹل کی کئی منزلہ بلند عمارت سبزہ زار پہ کھڑی تھی اور اس کے سامنے کھجور کے درختوں کی باڈینی تھی جس کے آگے سونچنگ پول تھا۔

خیلے پانیوں کے اس تالاب کے چاروں طرف لینے کے لیے چیز (آرام کرسیاں) رکھے تھے۔ تالاب کی دوسری جانب گھاس پہ اوپن ایئر ریسٹوران تھا۔ قطاروں میں میزیں لگی تھیں اور ان کے گرد ہوٹل میں ٹھہرے مہمان بیٹھے رات کا کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ باربی کیو کی خوشبو سارے میں پھیلی تھی اور رات کے باعث موٹھم بھی خوشگوار ہو چلا تھا۔

اپسے میں کھلے آسمان تلے چھ میزوں میں سے ایک پہ تالیہ بیٹھی تھی۔ تھوڑی تلے مٹھی جمائے وہ گردن موڑ کے تالاب کو دیکھ رہی تھی جس کا نیلا پانی عمارت کی روشنیوں میں چمک رہا تھا۔ تالیہ کی نظریں تالاب سے اٹھیں اور کھجور کے درختوں کی باڑ پہ جم گئیں جو تالاب اور ہوٹل کی عمارت کے درمیان حائل تھے۔

سامنے والی کرسی کے کھنچے جانے کی ہلکی سی آواز آئی تو اس نے چونک کے گردن موڑی اور سیدھی ہوئی۔

Downloaded from PakSociety.com



وہ بنا آہٹ کے جانے کب آیا تھا اور اب کرسی پہ کھینچ رہا تھا۔ پی کیپ سے ماتھے پہ سایہ کیے وہ بھوری آنکھوں والا وجیہہ صوت آدمی سامنے والی کرسی پہ بیٹھا اور ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔ اس نے موسم کی مناسبت سے ہلکی جیکٹ پہن رکھی تھی جس کے آستین پیچھے کوچڑھے تھے۔

”آرپوشیور کوئی تمہارا پیچھا نہیں کر رہا؟“

”میں نے وہ ہوٹل چھوڑ دیا ہے اور جس طرح نکلی تھی میرا نہیں خیال کوئی مجھے ڈھونڈ سکے گا۔ یہاں کمرہ لیتے وقت بھی دوسری شناخت استعمال کی ہے۔ ویسے بھی یہ میری پردھان منتری کا ذاتی کام ہے۔ وہ وائٹ کال کمرنل ہیں۔ دو چار سے زیادہ لوگوں کو میرے تعاقب میں نہیں لگا سکتیں نہ ہی حکومتی مشینری استعمال کر سکتی ہیں۔ لیکن اگر کوئی میرا پیچھا کر بھی رہا ہے تو مجھے پرواہ نہیں ہے۔“ گلابی سکرٹ بلاؤز اور سفید ہیٹ والی لڑکی بے پرواہ لگتی تھی۔ اس کے چہرے پہ صرف سادگی تھی۔ ہاتھ گرون اور کان کسی بھی زبرد سے خالی تھے۔ وہ انگوٹھی بھی نڈار تھی۔ جہان نے چند لمحے اس کے چہرے کا مطالعہ کیا اور پھر گویا ہوا۔

”اپنی دین... کام کیا ہے؟ کون سی کتاب چرائی ہے اور کہاں سے؟“

وہ غور سے اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ اس کی کٹھنی پہ موجود خم کا نشان عمارت سے آتی پہلی روشنیوں میں واضح دکھائی دیتا تھا۔ تالیہ ذرا کھٹکھاری۔

”سب سے پہلے تو میری مدد کے لئے شکریہ۔“

جہان نے کندھے اچکائے۔ ”تمہارا بھی شکریہ۔“

وہ جوابات آگے بڑھانے لگی تھی رک کے اسے دیکھنے لگی۔ ”میرا شکریہ کیوں؟“

”میری یومیہ خدمت پہ راضی ہونے کے لئے۔“

تالیہ مراد کے کندھے سیدھے ہوئے۔ آنکھیں پوری کھلیں۔

”وہ.... وہ رقم؟ وہ جو تم نے کاغذ پہ لکھی تھی؟ وہ اب بھی چاہیے تمہیں؟“ دماغ بھک سے اڑا۔

”اگر تمہیں نہیں دینی تھی تو تم نے مجھے کال کیوں کی؟“

”کیونکہ تم نے مجھے اس چٹ میں نئی سم ڈال کے دی تھی۔“

”ہاں اور میں نے کہا تھا کہ اگر اس رقم پہ راضی ہو جاؤ تو مجھے کال کر لینا۔ جو کہ تم نے کر لی۔ اس لئے میں وقت نکال کے آیا ہوں تمہارے پاس۔“ ساتھ ہی مصروف انداز میں کلائی کی گھڑی دیکھی اور پھر نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ”اگر تمہیں منظور



نہیں ہے تو میں چلا جاتا ہوں۔“

وہ دانت پہ دانت جھائے چند لمحے اس کو دیکھتی رہی۔

”وہ بہت بڑی رقم ہے۔“

”کام چھوٹا ہے کیا؟“ وہ مسلسل بندلیوں سے منہ ہلاتے ہوئے چہرہ قلم بھی چبار ہاتھا۔

تالیہ نے گہری سانس لی اور اندر ایلٹے غصے کو بمشکل واپس دھایا۔

”میں تمہیں اس سے ذرا کم رقم دے سکتی ہوں۔“

”Not a penny more, not a penny less.“

اس نے رکھائی سے بات کاٹی تو تالیہ نے دوبارہ گہری سانس لی۔

”ٹھیک ہے۔ مگر پہلے مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔ تم کون ہو؟“ اب کے وہ مشکوک نظروں سے اس کی آنکھوں میں دیکھ

رہی تھی۔ ”چور ہو؟ یا اسکامر؟ یا کوئی کرائے کے قاتل؟ یا گینگسٹر؟“

”کتنی دفعہ بتایا ہے کہ مکینک ہوں۔ لکھ کے دوں کیا؟“ جڑ جڑا سا جواب آیا۔

”اچھا۔“ تالیہ نے مشروب کا گلاس اٹھا کے گھونٹ بھرا اور پھر اسے واپس رکھا۔ رات کی برقی روشنیوں میں وہ دونوں

ٹھنڈی ہوا میں تالاب کے کنارے میز پہ آ منے سا منے بیٹھے تھے۔

”مان لیا۔ مگر مجھے یہ بھی دیکھنا ہے کہ تم میرے کام آ سکتے ہو یا نہیں۔ اس لیے یہ بتاؤ کہ تم کیا کرنا جانتے ہو؟“

”Fix Things“ وہ اس سے نظریں ہٹائے بغیر بولا۔

”ہوں۔ صرف چیزیں؟“

”چیزیں۔ مسئلے۔ لوگ۔“ کندھے اچکائے۔

”ابو اس سے پہلے تم کتنے قابل ذکر کام کر چکے ہو؟“

”سوری مگر کیا یہ جاب انٹرویو ہے؟“ ناگواری سے ماتھے پہ ہل پڑے۔

”یومیہ احمد توجاب کی ہی ہوتی ہے۔“ جتا کے بولی۔

”گرل....! اگر تمہیں میری مدد چاہیے تو میری قابلیت پہ بھروسہ رکھو۔“

”گرل؟“ تالیہ نے دونوں ابرو اٹھا کے اس کے اندازہ مخاطب پہ تعجب ظاہر کیا۔ جواب میں اس نے شانے اچکائے۔

”تمہارے اپنے ملک میں بہت سے نام ہیں۔ مجھے کیا معلوم کہ کون سا اصلی ہے۔ خیر۔ کام بتاؤ۔“ اس نے سنجیدگی سے

Downloaded from PakSociety.com



یا دولا یا تو تالیہ نے گہری سانس لی اور ہلکی سی مسکرائی۔ اس کی آنکھیں چمکیں۔ اس لئے ان کی چمک تالا ب کے نیلے پانی سے زیادہ تھی۔

”ہمیں ایک رائٹر کے ذہن سے ایک کتاب کو چرانا ہے۔ ایسے کہ وہ اسے بھول جائے اور کبھی لکھ نہ سکے۔ اور یہ کتاب لکھے جانے سے پہلے ہی مر جائے۔“

”انٹرنیٹنگ۔ اور یہ کس طرح کی کتاب ہے؟“ جہان کی آنکھوں میں دلچسپی اور تجسس ابھرا۔

”سیاست میں دو طرح کی کتابیں ہی تھلکہ مچاتی ہیں۔ ایک وہ جیسی ایڈم بن محمد لکھتا ہے۔ حکمرانوں کی کرپشن کو بے نقاب کرنے والی۔ اور دوسری وہ جو سیاستدان کی انکس وائف لکھتی ہے۔ اسکیٹڈ لڑ اور سنسنی سے بھر پور جو۔۔۔۔۔“

”نیلو فر بخت۔۔۔۔۔ تم نیلو فر بخت کے پیچھے آئی ہو یہاں؟“ وہ بات کاٹ کے کراہا جیسے یہ خیال پہلے نہ آنے پہ غصہ آیا ہو۔ ”ظاہر ہے تمہاری وزیراعظم نے تمہیں اسی کے لیے یہاں بھیجا ہوگا۔ میں سمجھا تھا کوئی سرکاری کام ہوگا۔“ اس نے اثبات میں سر ہلایا جیسے ساری بات سمجھ میں آگئی ہو۔ ”مگر کیا یہ سچ ہے کہ نیلو فر بخت واقعی کتاب لکھ رہی ہے؟“

”ہاں۔ صوفیہ رٹمن کی سوتیلی ماں نیلو فر بخت کتاب لکھ رہی ہے۔ داؤد سری عبدالرٹمن کے خلاف اور وہ اسے انکسشن کمپین شروع ہونے سے پہلے مارکیٹ میں لائے گی تاکہ۔۔۔۔۔“

”تاکہ اس کتاب کے ذریعے صوفیہ رٹمن کے خاندان سے لوگوں کو بدظن کیا جائے۔“

”تم بار بار میری بات کیوں کاٹ رہے ہو؟“

”تم بار بار دائیں طرف کیوں دیکھ رہی ہو؟“ وہ دوبارہ بولا تو تالیہ نے ناگواری سے سر جھٹکا اور بات جاری رکھی۔ (اب کی دفعہ لہجہ دوستانہ نہیں تھا۔)

”تم جانتے ہی ہو گے کہ نیلو فر بخت عمر میں صوفیہ جتنی ہی ہوگی۔ اس کی آٹھ نو برس پہلے عبدالرٹمن صاحب سے طلاق کے بعد تین سالہ شادی شدہ زندگی ختم ہوئی تھی۔ نیلو فر پہلے اٹلی چلی گئی اور پھر مصر آگئی۔ اس کا منہ بند رکھنے کے لئے داؤد سری عبدالرٹمن اس کو سالانہ بھاری رقم دیتے تھے۔ مگر ان کے انتقال کے بعد جب صوفیہ کو معلوم ہوا کہ اس کا باپ اس غورت کے ہاتھوں بلیک میل ہوتا تھا تو اس نے وہ پیسے بند کر دوائے۔ نیلو فر ان پیسوں کے علاوہ بھی متعدد حکومتی فیوزز لیتی رہی تھی کیونکہ اس کے پاس ایک تریپ کا پتہ تھا۔“

”صوفیہ کے باپ کے ساتھ گزرے تین سال۔ آئی گیٹ اٹ۔ آئی گیٹ اٹ۔“ وہ ان تفصیلات سے بور ہونے لگا تھا مگر تالیہ نے بات جاری رکھی۔



”بالکل۔ اس کے پاس ان تین سالوں کی یادیں تھیں اور وہ ایک کتاب لکھ کے عبدالرحمن پہ کیچڑا چھال سکتی تھی۔ لوگ یقین کریں یا نہ کریں، ایسی کتابیں عزتیں اچھالتی ہیں اور اسکیٹڈل بنتے ہیں۔ عبدالرحمن یہ نہیں چاہتے تھے اس لئے اس سے ڈرتے رہے مگر ان کی موت کے بعد نیلو فر کو پیسے دینے کا سلسلہ رک گیا۔ صوفیہ اور نیلو فر کے درمیان اتنی نفرتیں حائل تھیں کہ وہ اس عورت کو ایک پائی دینے سے بھی انکاری رہی۔ نیلو فر نے پہلے بہت شور مچایا پھر خاموشی اختیار کر لی۔ دو سال پہلے اس نے ایک کتاب لکھنی شروع کی اور اب تین چار ماہ قبل اس نے اپنے دوستوں کے سرکل میں اس بات کو ظاہر کیا کہ اگلے ماہ جب انکیشن کمپنیں شروع ہوگی، وہ اپنی کتاب کو منظر عام پہلا کے صوفیہ کو تباہ کر دے گی۔“

”ہوں۔ تو صوفیہ کیا چاہتی ہے؟“

”یہی کہ میں اس کتاب کو اس کے ذہن سے یوں چراؤں کہ وہ اسے کبھی لکھ نہ سکے اور اس کا منہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے۔“

”تو صوفیہ اسے گولی مروا دے۔ سہیل۔“

جواب میں تالیہ نے تادیبی نظروں سے اسے گھورا۔

”صوفیہ رحمن سیاستدان ہے۔ قاتل نہیں۔ اسے اپنے ہاتھ صاف رکھتے ہیں۔“

”کیوں؟ اس نے اپنے مخالف سیاستدان کی بیٹی کو بھی تو مروا دیا تھا نا۔“ وہ شانے اچکا کے بولا تو تالیہ اسے دیکھ کے رہ گئی۔

”وہ صرف ایک الزام ہے مگر دیکھو اس کی سزا وہ ابھی تک بھگت رہی ہے۔ ایک اور قتل اپنے سر کیوں لے؟“

”ہوں۔ انٹرسٹنگ۔ لیکن تم تو اس کے مخالف کیمپ سے ہو۔ تم اس کی مدد کیوں کر رہی ہو؟“

تالیہ کے چہرے پہ ایک دم برہمی ابھری۔

”میں کسی کے کیمپ میں نہیں ہوں۔“ وہ تیزی سے بولی۔ ”میں صرف اپنی مدد کر رہی ہوں۔“

ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھے جہان نے غور سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

”شاید تم اپنے لیڈر سے ناراض ہو۔ میرا مشورہ مانو تو اس کتاب کو آنے دو۔ تمہارا لیڈر آسانی سے جیت جائے گا اور تم

خود...“ تھوڑی کھجارتے ہوئے سوچا۔ ”...تم بھاگ جاؤ اور اپنی جان بچاؤ۔ رہی نیلو فر تو وہ کسی صورت کتاب نہیں روکے گی۔“

”کیا میں نے تم سے مشورہ مانگا ہے؟“

جہان نے شانے اچکا کے۔ ”مفت تھا۔“

”تم بتاؤ تم میری مدد کرو گے یا میں خواجہ خواجہ تمہیں برداشت کر رہی ہوں؟“ وہ سنجیدگی سے بولی۔

Downloaded from PakSociety.com



اس نے گہری سانس لی اور تالاب کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”ویل.... مجھے اور تمہیں کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صوفیہ رطمن کو چاہیے کہ نیلو فر کو پیسے دے دے۔“

”اب ویر ہو چکی ہے۔ اس نے خاندان والوں کے سمجھانے پہ ایک دفعہ کوشش کی لیکن نیلو فر بخت کی نفرت بہت بڑھ چکی ہے۔ اگر دوبارہ آفر کی تو نیلو فر اس آفر کو سب عام ایکسپوز کر کے ظاہر کرے گی کہ اس کا منہ بند کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یوں لوگ مزید اس کی کتاب کا یقین کریں گے۔“

”تو اس کو ڈرائیں۔ جان کی دھمکی دیں۔ اس کا کوئی ویک پوائنٹ ڈھونڈ کے....“

”بلیک میلنگ اس کو خاموش کر دیا سکتی ہے جس کے پاس کھونے کو کچھ ہو۔ نیلو فر ایک بدنام عورت ہے۔ سارے ملائیشیا کو معلوم ہے کہ اب تک وہ عبدالرطمن کے پیسے پہ پیش کر رہی تھی۔ اس کی بیٹی جو اس کے پہلے شوہر سے ہے وہ مہنگے اسکول میں پڑھتی تھی۔ بیٹا امریکہ میں بورڈنگ میں داخل تھا۔ لیکن جب پیسہ کم ہوتا گیا تو نیلو فر نے عبدالرطمن کے خلاف چھوٹے موٹے انٹرویو دینے شروع کیے۔ یہی اس کا ذریعہ معاش ہیں۔ وہ بہت سے مردوں کے ساتھ گھومتی ہے۔ اس نے عزت کھودی ہے۔ اب وہ کس چیز کے لئے ڈرے؟“

”وہ اتنی بدنام ہے تو لوگ اس کا یقین کیوں کریں گے؟“

”کیونکہ لوگ لوگ ہوتے ہیں۔“ وہ زنجی سا مسکرائی۔ ”انہیں sensational مسالے دار چیزیں دلچسپ لگتی ہیں‘ چاہے سامنے والے کی عزت تباہ ہو جائے۔ مرعام بدنام ہونے سے سب ڈرتے ہیں۔“

”Hell hath no fury like a Woman scorned.“ اس نے تبصرہ کیا۔

”اس لئے اس کو بلیک میلنگ خاموش کر سکتی ہے نہ پیسہ دے کر اس کا منہ بند کیا جاسکتا ہے۔ کوئی تیسرا حل کر کے اس کتاب کو روکنا ہوگا۔“

”تم بار بار ان درختوں کو کیوں دیکھ رہی ہو؟ وہاں کوئی ہے کیا؟“ اس نے گردن موڑ کے تالیہ کی نظروں کے تعاقب میں دور سمجور کے درختوں کو دیکھا اور پھر واپس تالیہ پہ مشکوک نظریں جمادیں۔

”تمہیں کیا میں جہاں بھی دیکھوں۔ تم نے میری بات فور سے سنی بھی ہے یا نہیں؟“

ٹیک لگا کے بیٹھے جہان نے کندھے اچکائے۔ پی کیپ کے سایے میں بھی اس کی گہری بھوری آنکھوں میں چھائی سوچ پہ دیکھ سکتی تھی۔ ”مجھے سمجھ میں آ گیا ہے سب۔ مگر پلان کیا ہے؟“

”تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔“ وہ گردن کڑا کے بولی۔ ”تم مجھے نیلو فر کے بارے میں معلومات اکٹھی کر کے

Downloaded from PakSociety.com



دو۔ مجھے اس کے گھر کے پتے اور فون نمبر کے علاوہ دولت صاحب نے کچھ نہیں دیا۔“ اس نے پرس سے ایک تھہ شدہ کاغذ نکال کے میز پہ رکھا تو جہان نے ہاتھ بڑھا کے اسے اٹھایا پھر کھول کے پڑھا۔ پھر نظریں اٹھا کے غور سے تالیہ کو دیکھا اور کاغذ واپس میز پہ ڈالا۔

”ہو جائے گا۔ صبح ملتے ہیں پھر.... حالم؟“ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور سوالیہ انداز میں اس کا نام لیا۔

”تم مجھے تالیہ کہہ سکتے ہو۔ تمہارے برعکس میں اپنے نام اور پیشے کے بارے میں جھوٹ نہیں بولتی۔“ تپانے والی مسکراہٹ سے اسے دیکھا تو اس نے ایک جتنا نظر اس پہ ڈالی منہ میں کچھ بڑبڑایا اور کیپ چہرے پہ جھکاتا آگے بڑھ گیا۔ وہ پتلیاں سکوڑے مشکوک نظروں سے اسے جاتے دیکھے گئی۔

کیا اس نے بدست آدمی پہ بھروسہ کیا؟ اگر جو وہ جا کے نیلو فر کو سب بتا دے اور اس سے بھی رقم وصول کر لے؟ ڈبل ایجنٹ؟ مگر خیر... نیلو فر کے پاس دینے کو کوئی خزانہ نہیں تھے۔ اور رہا یہ آدمی تو اس کے متعلق بھی وہ جان جائے گی۔ وہ گردن موڑ کے دوبارہ سے درختوں کے اس جھنڈ کو دیکھنے لگی۔ اس پاس ٹیلو پہ لوگ بیٹھے کھانے پینے اور خوش گپیوں میں مصروف تھے مگر وہ.... جس کے گھونٹ بھرتی ان درختوں پہ نظریں جمائے ہوئے تھی۔ کوئی تھا جو اسے ان درختوں میں چھپ کے دیکھ رہا تھا۔

☆☆=====☆☆

اس کی آنکھ کسی آواز سے کھلی تھی۔ وہ ایک دم تیزی سے اٹھ بیٹھی اور گھبرا کے ادھر ادھر گردن موڑی۔ وہ اس قید خانے میں تھی جس کا دروازہ سلاخوں سے ہناتھا؟ کیا حقان اسے تفتیش کے لیے بلانے والا تھا؟ اس نے ہاتھ مار کے دیوار ٹٹولنی چاہی جس سے وہ ٹپک لگا کے خود کو محفوظ تصور کرتی تھی مگر قریب میں کوئی دیوار نہ تھی۔ بستر نرم تھا۔ ٹیبل لپٹم کو ہاتھ لگا تو وہ جل اٹھا۔ تالیہ قاہرہ کے ایک ہوٹل کے بیڈروم میں تھی۔

چند لمحے تک وہ پلکیں جھپکا جھپکا کے اطراف کو دیکھے گئی۔ پھر بصارت ماحول سے آشنا ہوئی تو وہ بستر سے اتری۔ پھر نیچے بیروں سے چلتی کھڑکی تک آئی۔ رات کے اس پہر تالاب کے گرد کرسیاں ویران پڑی تھیں البتہ ساری بتیاں روشن تھیں۔ درختوں کا پراسرار جھنڈ اسی طرح کھڑا تھا۔ تالیہ نے میکا کی انداز میں کھڑکی کی کنڈی کھولی اور دفٹ کی اونچائی پہ موجود کھڑکی سے نیچے پھلانگ گئی۔ پھر تیز تیز ان درختوں کی جانب چلتی گئی۔

رات کو موسم ٹھنڈا ہو جاتا تھا اور تیز ہوا کے باعث اس کے بال پیچھے کواڑنے لگے تھے مگر وہ پرواہ کیے بغیر تیز قدم اٹھاتی گئی یہاں تک کہ وہ درختوں کے پاس آ پہنچی۔

Downloaded from PakSociety.com



”کوئی ہے؟“ اس نے ہلکا سا پکارا۔ ایک درخت کے تنے پہ ہاتھ رکھ کے اس کی اوٹ سے آگے جھانکا۔

دور اس جھنڈ کے وسط میں کوئی زمین پہ بیٹھا تھا۔ ایک آدمی جس کے ہاتھ محنت سے سخت اور کھر درے ہو چکے تھے اور ماتھے پہ سرخ پٹی باندھ رکھی تھی۔ وہ اکڑوں بیٹھا، مسکرا کے اوپر آسمان کو دیکھتے ہوئے کچھ کہہ رہا تھا۔ ساتھ زمین پہ ایک بچی بیٹھی تھی۔ اس کا لباس خاکی رنگ کا میلا گدلا سا تھا اور لمبے بال سیاہ تھے۔ وہ بھی مسکرا کے گردن اٹھائے آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ وہ دونوں مدھم سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔

تالیہ درخت کے تنے پہ ہاتھ رکھے کھڑی رہ گئی۔ اس کی نظریں ان دونوں پہ جمی تھیں اور وہ پک تک نہ ہچک پارہی تھی۔ پھر وہ تنے سے لگی نیچے بیٹھتی گئی۔ ان دونوں کے انداز میں اکڑوں بیٹھی اور گھٹنوں کے گرد بازو جمائل کیے وہ ایک ٹک انہیں دیکھے گئی۔

وہ دونوں جس قطعے پہ بیٹھے تھے وہ ان درختوں کے درمیان ہونے کے باوجود اس کا حصہ نہیں تھا۔ وہ جنگل کی زمین جیسا تھا اور ان کے گرد قدیم ملا کے جنگل کے درخت آگے کھڑے نظر آتے تھے۔

دفعتاً اس آدمی نے نظریں موڑیں اور اسے دیکھا۔ پھر مسکرا کے سر کو خم دیا جیسے اسے قریب آنے کا اشارہ دے رہا ہو۔ بچی نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں اس طرف دیکھا۔ تالیہ کے حلق میں آنسوؤں کا گولا سا پھنسا۔ آنکھوں کے کنارے بھینکنے لگے۔ وہ اپنی جگہ سے نہیں اٹھی۔ بس وہیں بیٹھی ان دونوں کو دیکھے گئی جواب اسے ہی دیکھ کے مدھم سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔

☆☆=====☆☆

اس قدیمی شہر کے درمیان سانپ کی صورت ایک دریا بہتا تھا جسے ’نیل‘ کہا جاتا تھا۔ نیل کے ایک طرف موجود شہر کو قاہرہ کہا جاتا تھا اور دوسری جانب غیزہ Giza تھا۔ قاہرہ اور غیزہ کو ایک خوب صورت پل نے جوڑ رکھا تھا جو ہر وقت ٹریفک سے معمور ہوتا تھا۔ رات کو اس پل پہ معنوی روشنیاں چمک رہی تھیں۔ مگر صبح ہوئی تو سورج نے سب روشنیوں کو بجھا دیا اور سارا شہر دن کی سفیدی میں ڈوب گیا۔

ایسے میں اس ہوٹل کے نیلے تالاب کے پار آگے درختوں کا جھنڈ بھی روشنی میں نہایا کھڑا تھا۔ تالیہ اس وقت ان کے درمیان کھڑی تھی۔ رات کو ہوٹل ملازمین کے آنے پہ وہ وہاں سے چلی گئی تھی لیکن صبح ہوتے ہی پھر سے آگئی تھی۔ سیاہ بالوں کو کچر میں باندھے وہ کندھوں پہ چانسی پونچو شال پہنے ہوئے تھی۔ پونچو کے اوپر سامنے ایک سنہری لاکٹ سینے پہ پڑا نظر آتا تھا اور سن گلاسز سر کے اوپر نگار کھے تھے۔ سیاہ اداس آنکھیں درختوں کے بیچ کھڑے ان باپ بیٹی پہ جمی تھیں۔

**Downloaded from Paksociety.com**



بچی ننھے ہاتھوں سے لکڑیوں کا گٹھا اٹھا رہی تھی.... آدمی اس کے ساتھ تھا.... وہ زمین پہ کئی لکڑیوں کو گٹھے میں باندھتے ہوئے اسے بتا رہا تھا کہ اسے گھر کا راستہ کیسے ڈھونڈنا ہے.... ستارے سے.... ستارے کے تعاقب سے.... اگر اس کا دل چاہے گا تو سارے راستے ستاروں کے بغیر بھی مل جائیں گے۔

بچی غور سے سن رہی تھی۔ بات کرتے ہوئے اس آدمی نے گردن اٹھا کے تالیہ کی سمت دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں تو وہ مسکرایا۔ تالیہ کی آنکھیں پھر سے بجھنے لگیں۔ وہ کہتا چاہتی تھی کہ واپسی کے راستوں کی تلاش ان کو ہوتی ہے جن کو پیچھے رہ جانے والوں سے ملنے کی خواہش ہوتی ہے۔ اسے نہیں رہی تھی۔

اور پھر... دیکھتے ہی دیکھتے.... ان درختوں کے جھنڈ میں ایک اور منظر چھلکنے لگا۔ گھوڑے پہ بیٹھا وہی آدمی.... ماتھے پہ بدستور سرخ پٹی باندھے.... کندھوں تک آتے سیاہ بال لیے.... شاہی پوشاک پہنے.... مسکرا کے کہہ رہا تھا....

”مجھے تمہارا انتظار رہے گا تالیہ۔ تمہاری واپسی کا انتظار....“

(کیا آپ کو اب بھی میرا انتظار ہے باپا؟ تالیہ کھوئی ہے۔ اسے گھر کے سارے راستے بھول گئے ہیں۔ نہ ستارے رہے ہیں نہ چاند.... نہ ہی....“)

”تالیہ؟“

وہ بری طرح ڈر کے پلٹی۔

نہ کوئی چاپ آئی تھی نہ آواز۔ وہ جانے کب اس کے پیچھے آ کے کھڑا ہوا تھا اور اب تنقیدی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جہیز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالنے لگے سوئیٹ شرٹ کے آستین موڑے ماتھے پہ پئی کیپ سے سایہ کیوہ شدید برہم نظر آتا تھا۔ تالیہ نے سینے پہ ہاتھ رکھے گہری سانس لی۔

”اوہ جہان۔ تم نے مجھے ڈرا دیا۔ آؤ وہاں چل کے....“

”ابور جو تم نے کیا؟“ اس کے ماتھے پہ ہل تھے۔

تالیہ نے رک کے اسے دیکھا۔

”دیکھو میں نے کہا ہے میں پیسے دوں گی تو دے دوں گی۔ اب کام کی بات....“

”تو پھر میرے منگدر پرنس سے کیا معلوم ہوا تمہیں؟“ وہ دشتی سے پوچھ رہا تھا۔

وہ رک کے اسے دیکھنے لگی۔ ”ایکسکیوز می؟“

جہان کے عقب میں نیلا تالاب دھوپ میں چمکتا دکھائی دے رہا تھا۔ روشنی اس کے اطراف سے نکل کے تالیہ کے

Downloaded from PakSociety.com



چہرے پہ پڑ رہی تھی اور وہ پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے شدید برہم نظر آتا تھا۔

”تمہیں لگتا ہے مجھے نہیں معلوم کہ ات تم نے مجھے نیلو فر کا پتہ ایک کانڈ پہ لکھ کے کیوں دیا تھا؟“ وہ دبے دبے غصے سے کہہ رہا تھا۔ ”ناک میرے جاتے ہی تم اس کانڈ کو فنگر پرنٹ ٹیسٹ کے لئے اپنے ایک مصری کاٹیکٹ کو بھیج دو۔ تمہاری اطلاع کے لیے... مجھے صبح سے پہلے ہی کال آگئی تھی کہ کسی نے میرے فنگر پرنٹ سے میرا بیک گراؤنڈ ڈیٹا نکالوانے کی کوشش کی ہے۔“

”اوہ... اچھا۔“ تالیہ نے سینے پہ ہازو لپیٹے اور اسی کے انداز میں چمک کے بولی۔ ”اور تم نے جو سم مجھے دی تم اس سے بالکل بھی میری لوکیشن ٹریس نہیں کر رہے ہونا؟ اور ہاں... تمہاری سم میں جو بگ لگا تھا اس سے تو میں بالکل بھی واقف نہیں ہوتی۔“

مگر وہ قطعاً شرمندہ نہ ہوا۔ اس کی بات ان سنی کر گیا۔

”اگر تمہارے پاس پہلے ہی مصری دوست تھے تو مجھے ہانڈ کرنے کا مقصد؟“

”وہ سیاسی دوست ہیں۔ سفارت خانے میں کام کرتے ہیں۔ تمہاری طرح کرملو نہیں ہیں۔ دیکھو...“ گہری سانس لی اور مصالحتی انداز میں دونوں ہاتھ اٹھا کے بولی۔ ”میں تمہیں نہیں جانتی۔ اس طرح تمہارے ساتھ کام کر رہی ہوں تو تمہارا بیک گراؤنڈ چیک کروانا ضروری تھا۔“

”اوہ... اور میرے فنگر پرنٹس نے کیا بتایا میرے بارے میں؟“

”وہی جو تم نے کہا تھا۔“ اس نے بغیر شرمندہ ہوئے بے پرواہی سے شانے اچکائے۔ ”تم قاہرہ کے ایک مکینک ہو۔ جہان سکندر تمہارا نام ہے اور پچھلے چند ماہ سے یہاں مقیم ہو۔“

وہ چند لمحے آنکھیں سکوڑ کے اسے دیکھتا رہا پھر جیب سے ہاتھ نکالے اور دایاں ہاتھ اوپر کیا۔ تالیہ چونک کے اس کے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔

جہان نے اپنی ایک انگلی کے پورے سے جھلی سی اتاری۔

”میں فیک فنگر پرنٹس لگاتا ہوں، مادام۔ میں نے اپنے اصلی فنگر پرنٹس کئی سال پہلے جلا دیے تھے۔“ اس نے اپنا بے داغ پورا دکھایا اور پھر جھلی واپس لگا دی۔ وہ اسی طرح چپک گئی۔ ”But nice try!“ طنز سے مسکرایا۔

”تم مجھے پورے قاہرہ میں Stalk کر سکتے ہو اور میں تمہارا بیک گراؤنڈ چیک نہیں کر سکتی؟ ڈیٹا سٹینڈرڈز!“

وہ دونوں درختوں کے جھنڈ میں آمنے سامنے کھڑے بحث کر رہے تھے۔

Downloaded from PakSociety.com



”سنو لڑکی...“ وہ سنجیدگی سے ماتھے پہ ہل ڈالے بولا۔ ”اگر تمہیں میرے ساتھ کام کرنا ہے تو مجھ پہ بھروسہ کرو۔ میں یوں ہر غیر ملکی کون دامن کے ساتھ کام نہیں کرتا۔ اگر کر رہا ہوں تو مجھ پہ بھروسہ کرو اور...“ ان درختوں کو دیکھا... ”اور ان درختوں کے ہاتھ لپیٹا سے نکل کے کام پہ فوکس کرو۔“

”کون دامن؟“ اس کو وہ لفظ چابک کی طرح لگا۔ گال سرخ ہوئے۔

”لوہ سوری۔ تم کون دامن نہیں ہو۔ تم تو... کیا کہا تھا احمد نظام نے... (کنٹینی پہ ہاتھ رکھ کے یاد کیا) ہاں... تم تو تاشہ پھوٹا ہو... پھوٹا... ساحرہ... ہٹ پونڈ واٹ...“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے چند قدم آگے آیا... یہاں تک کے اس کے عقب میں نظر آتا تالاب چھپ گیا۔

”میرے نزدیک تم ایک بے وقوف لڑکی ہو جس نے یوں میرا بیک گراؤ ٹھ چیک کر دیا... میرا اعتبار توڑ کے میرے ساتھ کام کرنے کا موقع کھودیا ہے۔“ وہ چبا چبا کے کہہ رہا تھا۔ ”تم زیادہ سے زیادہ میری پوٹری کی ایک جادو گرئی ہو... ناشکری جادو گرئی... جو دریا میسر ہونے کے باوجود اس پہ تالاب بنانے کی کوشش کرتی ہے۔ ہٹ پونڈ واٹ... تم کوئی ساحرہ نہیں ہو نہ میں تمہارا ملازم ہوں۔ یہ میرا ہوم ٹرف ہے یہاں میرے ساتھ کیمرہ کھلیو۔ کیونکہ اگر تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے تو میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔“

ایک ایک لفظ اندر تک سلگا دینے والا تھا۔ تالیہ کا چہرہ سرخ ہوا۔ اس نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے مگر صدمہ اتنا شدید تھا کہ وہ کچھ بول ہی نہ سکی۔ وہ اسے گھورتے ہوئے پلٹ گیا اور وہ وہیں کھڑی رہ گئی۔

پھر گردن موڑی تو درختوں کے جھنڈ میں وہ دونوں دکھائی دیے۔

لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے کھڑا سرخ پٹی والا آدمی اسے دیکھ رہا تھا۔ اور ساتھ اس کی ٹانگ برابر آتی پچی جس نے ننھے بازوؤں میں خشک لکڑیاں اٹھا رکھی تھیں اس کی آنکھیں بھی تالیہ پہ جمی تھیں۔

وہ چند لمحے ان دونوں کو دیکھتی رہی یہاں تک کہ نگاہوں کے سامنے گیلی دھند چھاتی گئی۔ گال ابھی تک سرخ دھک رہے تھے۔

”تمہیں گھر کا راستہ بھول گیا ہے تالیہ؟“ وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔ ان دونوں کی اس پہ جمی آنکھیں سنکھڑ تھیں۔ وہ اس کا انتظار کر رہے تھے۔

اس کی واپسی کا۔

گھر لوٹ کے آنے کا۔



تالیہ نے مٹھی سے آنکھیں صاف کیں تو درختوں کا جھنڈ خالی نظر آیا۔  
وہ دونوں غائب ہو چکے تھے۔

اس نے گردن موڑی تو تالاب بھی سناں پڑا تھا۔ جہاں جا چکا تھا۔

”بد لحاظ آدمی۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔“ اس نے ناک سے گیلی سانس اندر کھینچی اور آنکھیں دوبارہ

رگڑیں۔ ”تالیہ کو کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اس کی ہمت کیسے ہوئی کہ وہ مجھے ہیری پوٹر کی Witch کہے ہونہ؟“

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے کمرے میں کھڑی تھی۔ ہاؤس کیپٹنک سے آئی ملازمہ اس کے برتن اٹھا رہی تھی تو اس نے پکارا۔

”سنو.... یہ کھڑکی کا پردہ بند کر دو۔“

”آرپوشیورمیم؟“ ملازمہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ”ہاہر سے آتی روشنی تو تازگی کا احساس دیتی ہے۔“

”مگر مجھے اس کھڑکی سے یہ درخت نظر آتے ہیں جو میرے View کو بلاک کر رہے ہیں۔ مجھے یکسوئی سے کام کرنا ہے

اور ان درختوں کو نہیں دیکھنا۔“ وہ سر جھری سے کہہ رہی تھی۔ ملازمہ نے سر ہلا دیا اور پردہ کھینچ دیا۔

سارا کمرہ ایک دم اندھیرے میں ڈوب گیا۔ تالیہ نے مصنوعی بتیاں جلا دیں اور لیپ ٹاپ اٹھالیا۔

اسے ماضی کی یادوں سے نکل کے کام پہ توجہ مرکوز کرنی تھی۔ وہ اکھڑ اور بد لحاظ آدمی تو چلا گیا اب جو کرنا تھا اکیلے کرنا تھا۔

ایسے میں وہ ان درختوں کی کشش کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

☆☆=====☆☆

شام تک اس کا کمرہ کاغذوں کی دکان لگنے لگا تھا۔ جگہ جگہ پرنٹ آؤٹس بکھرے تھے جو وہ اپنے چھوٹے پرنٹر سے پرنٹ

کر کر کے نکال رہی تھی۔ کچھ مرد و تر وڈ کے زمین پہ پھینکے تھے۔

اس وقت وہ کھڑکی کے ساتھ کرسی پہ بیٹھی تھی۔ ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس ہال گول مول باندھے ٹین ہاتھ میں پکڑے

اور لیپ ٹاپ گھٹنوں پر رکھوہ کافی کا گھونٹ بھر رہی تھی۔ ساتھ رکھے ٹین خالی مگ اس کی حالت کے عکاس تھے۔

پھر اس نے مگ رکھا اور اسکرین فولڈ کی جیسے آج کا کام ختم کیا ہو۔ پھر سر اٹھا کے کمرے کی اتر حالت کو دیکھا تو جو پہلی

شے محسوس ہوئی وہ خاموشی تھی۔

خاموشی اور اکیلا پن۔

ایک دم سے کمرے کی دیواریں سمٹنے لگیں.... ایک دیوار سلاخوں والے دروازے میں تبدیل ہو گئی... وہ ٹھنڈی دیوار سے

ٹپک لگائے خوفزدہ بیٹھی تھی.... اور سلاخوں کے پار کھڑا حقان طہر سے کچھ کہہ رہا تھا....

**Downloaded from Paksociety.com**



تالیہ نے زور سے سر جھٹکا تو وہ منظر غائب ہو گیا۔ یہ مناظر ان مستقبل کے خوابوں کی طرح نہیں اسے دکھائی دیتے تھے۔ یہ عجیب طریقے سے اس کے ارد گرد ابھی تک چکر لگا رہے تھے۔ وہ ذرا اکیلی ہوتی تو وہ اس کے آس پاس ابھرنے لگتے۔ نیند میں آوازیں سنائی دینے لگتیں۔

تالیہ نے گہری سانس لی اور سر کرسی کی پشت سے لگایا۔ سوچا تھا اب پیچھے رہ جانے والوں پہ غصے نہیں کرنا، نشان کو یاد کرنا ہے مگر یاد میں ہمارے اختیار کے ماتحت نہیں ہوتیں۔ اپنی مرضی سے آتی ہیں اور چلی جاتی ہیں یہ دیکھے بغیر کہ کسی کو کتنا دکھ دے گئی ہیں۔

اس نے فون اٹھایا اور ای میل کھولی۔

وہاں ایڈم کی ای میل تھیں۔ واٹن کی بھی اور فاتح کی بھی۔ ای میل کے سبیکٹ سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس کی خیریت پوچھنا چاہتے تھے۔ تالیہ چند لمحے ای میل کی ان فہرست کو دیکھتی رہی۔ پھر ایک ایک کر کے سب کو مارک کیا اور ڈیلیٹ کا بٹن دبا۔ وہ اس کی اسکرین سے مٹ گئیں۔ دماغ سے نہیں گئیں۔

اسے ان تینوں کی ای میل تو درکنار ان کی شکلیں بھی نہیں دیکھنی تھیں۔

پھر سر اٹھایا تو کمرہ اتنا دیر ان نہیں لگا۔ اس میں جگہ جگہ بکھرے کاغذ نظر آنے لگے جو اس کی توجہ کے منتشر تھے۔ ابھی تالیہ مراد کو بہت سا کام کرنا تھا اور وہ کر سکتی تھی۔ اس نے بازو لہا کر کے ریسور اٹھایا، خرید کافی آرڈر کی اور ایک دفعہ پھر سے اسکرین کھولی۔ وہاں اس کے اپنے لکھے الفاظ جگمگا رہے تھے۔

”نیلو فر بخت کون ہے؟“

اسکرین کی نیلی روشنی تالیہ کے چہرے کو چکار رہی تھی اور وہ پتلیاں سکڑے اپنے ریسرچ کر کے جمع کیے الفاظ پھر سے پڑھنے لگی تھی۔

☆☆=====☆☆

(نیلو فر بخت کون ہے؟)

یہ قابرہ کا ایک پوش علاقہ تھا۔ سڑک کنارے خوبصورت اسٹورز اور ریسٹوران بنے تھے۔

ایسے میں ایک کافی شاپ کے اوپر عربی میں جلی حروف میں ”ستار بکس کافی“ لکھا نظر آتا تھا۔

شیشے کی دیواروں سے مزین یہ شاپ کافی کی مہک سے بھری تھی۔ ہارستا ہاری ہاری گاہکوں کے کافی کپ کاؤنٹر پہ رکھ

کے ان کے نام پکار رہا تھا۔ لوگ آتے اور اپنے کپ اٹھا کے لے جاتے۔

Downloaded from PakSociety.com



کونے کی ایک میز پہ بیٹھی تالیہ ”کافیہ“ کا کھونٹ بھرتی شیشے کی دیوار سے پار دیکھ رہی تھی۔ اس نے سبز ہڈی پہن رکھی تھی جس کا ہڈ سر کو ڈھانکے ہوئے تھا اور آنکھوں پہ نظر کا موٹا چشمہ لگا رکھا تھا۔

(نیلو فریخت کون ہے؟)

باہر صبح کی روشنی میں پارکنگ میں ایک کار ابھی آکے رکھی تھی۔

فرنٹ کا دروازہ کھلا اور پہلے ایک سنہری جیل والی سیٹڈل زمین پہ رکھی گئی اور پھر.... وہ عورت سیدھی ہوتی باہر نکلی۔

(نیلو فریخت ایک اڑتالیس برس کی خوبصورت عورت ہے جس نے بیڑھتی عمر کے باوجود خود کو جمہور سیلون کی مدد سے فٹ رکھا ہوا ہے۔ وہ بہت تعلیم یافتہ نہیں ہے مگر دوسری عبدالرحمن کے ساتھ امراد رو ساء کی محفلوں میں اٹھنے بیٹھنے نے اسے بہت گروم کر دیا ہے۔)

کار سے نکلنے والی عورت دروازہ اور خوبصورت تھی۔ اس کے سیاہ بال لیٹرز میں کندھوں پہ گرتے تھے اور ماتھے پہ Bangs کی صورت کئے تھے۔ کانوں میں ہیرے کے ٹاپس پہنے انگلیوں میں انگوٹھیاں.... ایش گرے کوٹ اور اسکرٹ تلے سیاہ جالی دار اسٹاکنگز پہنے وہ ہارک ایک اونچی جیل کے ساتھ چلتی ہوئی شاپ کے دروازے تک آ رہی تھی۔

(نیلو فریخت کے پاس فی الوقت اتنا پیسہ ہے کہ وہ اپنے فیشن اور رہن سہن کو پہلے کی طرح چلا سکے۔ اس کے بہت سے مرد دوست اس کا خرچہ اٹھاتے رہتے ہیں۔ مگر اس کی ساری توقعات اپنی آنے والی کتاب سے جڑی ہیں جو چھپتے ہی اسے کئی ملین کما کے دے گی۔ اس لئے وہ ابھی تک فیشن پارٹیز اور کپڑوں جوتوں پہ پیسہ پہلے کی طرح ہی لٹاتی جاتی ہے۔)

دکان میں داخل ہوتی عورت انڈین نقوش کی حامل تھی۔ بڑی سیاہ آنکھیں، چمکی ناک اور بے حد پرکشش مسکراہٹ کے ساتھ آنکھوں کو گھمانے کی خاص ادا جو شاپ میں داخل ہوتے ہی ہر مرد کو اس کی طرف متوجہ کر رہی تھی۔ کہنی پہ بیگ لٹکائے وہ اسی مغرور مسکراہٹ کے ساتھ چلتی ہوئی کاؤنٹر تک آئی۔

(نیلو فریخت پہلے شوہر سے موجود بیٹی کالج میں پڑھتی ہے۔ نیلو فریخت اس کو کالج ڈراپ کر کے اسٹار بکس آتی ہے۔ کافی لہجے ہے اور یہاں سے اس کو اپنے آفس جانا ہوتا ہے۔)

ہاریتا مسکرا کے اس کا کپ اسے دے رہا تھا۔ نیلو فریخت نے گہری آنکھیں اس پہ مرکوز کیے کپ تھا مالا اور سرخ لپ اسٹک سے مزین ہونٹ ہلا کے تھینک یو کہتے ہوئے ”یو“ کو کافی لہا کیا۔ ہاریتا جھینپ کے مسکرا دیا اور سر کو خم دیا۔

”آپ کی کافی آپ کے ہاتھوں تک پہنچی، ماما۔“

”اور جانتے ہو میرے ہاتھوں کے اندر اور کیا مقید ہے۔“ وہ کاؤنٹر پہ آگے کو جھکی اور نو جوان ہاریتا کی آنکھوں میں

Downloaded from PakSociety.com



جھانکا۔ ”ان ہاتھوں میں میرے ملک کی حکومت کا تختہ الٹنے کی طاقت ہے۔ میرے قلم کی ایک جنبش سے کوئی تباہ ہونے والا ہے۔“

مسکرا کے واپس سیدھی ہوئی تو بارستا مزید جھینپ گیا۔

(نیلو فراس وقت ساری کشتیاں جلا کے سرعام اپنی کتاب کا جہ چا کرتی پھر رہی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ کوئی اس کو مروا نہیں سکتا، کوئی اس کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا کیونکہ اہرام صوفیہ رٹمن پہ آئے گا۔ اس کے پاس اب کھونے کو کچھ نہیں رہا۔)

کپ لے کر وہ مڑی اور ارد گرد کھڑے مرد گاہکوں پہ ایک مسکراتی نظر ڈالتی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ جہاں بہت سی نظریں اس کے تعاقب میں دیواندار لگیں وہاں ایک ادھیڑ عمر داڑھی والے صاحب نے افسوس سے ”استغفر اللہ....“ اور دل میں ”یا لہامن امرأۃ عاقرۃ“ کہا تھا۔ (کتنی فاحشہ عورت ہے۔)

اس کے ٹکلتے ہی کونے میں بیٹھی ہڈ والی لڑکی اٹھی اور جیبوں میں ہاتھ ڈالے سر جھکائے باہر کی طرف بڑھی۔

(نیلو فراس یہاں سے کافی لے کر سیدھی اپنی شاپ پہ جاتی ہے۔ اس نے ایک لمٹیک جیولری شاپ کھول رکھی ہے جس میں وہ میٹھتی ہے۔ شاپ کی سل کچھ خاص نہیں مگر یہ ایک طرح سے شیل کمپنی ہے جس کو رجسٹر کروا کے اس کے کھاتے میں وہ عبدالرحمن کے بیچے پیسے ڈالتی تھی۔ کوئی غائب نہیں کر سکتا کہ نیلو فراس کو خاموش رہنے کی قیمت ادا کی جاتی تھی۔ اسی لیے نیلو فراس سے کہتی ہے کہ وہ حلال کی روزی روٹی کھا رہی ہے۔)

لمٹیک شاپ ایک پوش سی سڑک کے کنارے واقع تھی جہاں قطار میں برانڈڈ اسٹورز اور جیولری شاپیں وغیرہ بنی تھیں.... یہاں سڑک کنارے چلتے اور دکانوں میں خریداری کرتے لوگ یا تو سیاح تھے یا شہر کے امراء۔ ان کا لباس اور انداز ان کی کلاس کا پتہ دیتا تھا۔

ایسے میں نیلو فراس کی شاپ کے پار ایک دکان میں کپڑوں کے ریک الٹ پلٹ کرتی ہڈ والی تالیہ کی نظریں وہیں جمی تھیں۔ نیلو فراس اپنی دکان میں داخل ہو رہی تھی۔ کافی کا کپ ہاتھ میں تھا۔ پہلے اس نے کرختگی سے ورکرز کو مخاطب کر کے کچھ کہا (ساری ناز و انداز بھری مسکراہٹیں غائب ہو چکی تھیں۔)۔ اور پھر وہ دکان کے اندر ایک دروازے کے پیچھے غائب ہو گئی۔

(نیلو فراس کی دکان کے اندر ایک آفس موجود ہے جہاں وہ اگلے دو گھنٹے تک کام وغیرہ کرتی ہے۔ وہاں سے کل کے دوپہر میں وہ کسی نہ کسی ریسٹوران جاتی ہے جہاں اس کی طرح کی کوئی فارغ خاتون دوست گسپ کے لئے اس کا انتظار کر رہی ہوتی ہے۔)

اسی بطور مال زر درو شفیوں سے مزین ایک جدید طرز کا مال تھا۔ اندر آؤ تو یوں لگتا سا رازمانہ شاپنگ کرنے آ لگا ہے۔

Downloaded from PakSociety.com



مال کے اندر ایک ریسٹوران کی درمیانی میز پر ویٹر دھواں اڑاتے پلیر رکھ رہا تھا۔ وہاں ایک ڈائی بالوں والی خاتون بہت دلجمعی سے سامنے بیٹھی نیلو فرکی ہاتھیں سن رہی تھی۔

”صوفیہ رطمن اس وقت الگاروں پہ لوٹ رہی ہے۔“ نیلو فرنگو ٹھیوں والا ہاتھ نچا کے مظلوظ انداز میں بتا رہی تھی۔ ”اس کی ساری حکومتی مشینری کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ایک عورت کا منہ کیسے بند کروائیں۔ یہ ایک عورت (انگی سے اپنی طرف اشارہ کیا) اگر بول پڑی تو اس کا بچ سارے ملایشیا کو الٹا کر رکھ دے گا۔“

”واؤ۔ تو کب شائع کر رہی ہو کتاب؟“

”وہ سوال مت پوچھو میری جان جن کے جوابات دینا ناممکن ہوں کیونکہ اس وقت میں اپنی کتاب کو خطرے میں نہیں ڈال سکتی۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے اور اسے کون شائع کر رہا ہے۔“ اس نے چھری کانٹے کو پلیٹ پہ چلاتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔ ”بس یہ جان لو کہ جب یہ شائع ہوئی نا تو ملایشیا کے لوگ اپنے آپ پہ شرمندہ ہو جائیں گے۔ وہ اپنے سیاستدانوں کے اعمال کے باعث کسی کو دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے..... یہ بہت مزیدار فیلنگ ہے ہنی۔ ایک پورے ملک کی قسمت میرے ہاتھ میں ہے۔ جیسے چاہوں اس کو بدل دوں۔ میں اس وقت صوفیہ رطمن سے زیادہ طاقتور ہوں۔“

وہ اپنے ہاتھ کو مٹھی میں کھول بند کرتی غرور سے بتا رہی تھی۔

(نیلوفر بظاہر ایک بہادر اور پراعتماد عورت کا امیج دیتی ہے مگر عموماً ایسی عورتیں نفسیاتی مسائل کا شکار ہوتی ہیں۔ نیلو فرنگ کے بعد اپنی بیٹی کو پک کر کے گھر چھوڑتی ہے اور پھر اپنے سائیکا فرسٹ کے آفس جاتی ہے۔ اس کے ذہنی مسائل اتنے ہیں کہ اسے ہفتے میں چار سے پانچ دن ڈاکٹر کے پاس جانا ہوتا ہے۔ وہ نیند کی گولیوں کے بغیر سو نہیں سکتی اور مسلسل اسٹی ڈپریشنٹ لیتی ہے۔)

نیلوفر اپنی کار ڈرائیو کرتی رش والی سڑک سے گزر رہی تھی۔ اس کے عقب میں ایک فیکسی کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھی ہڈ والی لڑکی سر جھکائے ڈائری میں کچھ نوٹ کیے جا رہی تھی۔

(سائیکا فرسٹ کے پاس سے واپس آنے کے بعد وہ گھر جاتی ہے جہاں اس کے گروالے اس کے منتظر ہوتے ہیں۔ نیلو فر پھر رات تک گھر سے نہیں نکلتی۔ ایسی عورتیں اپنی نرولاد کو خود سے دور رکھتی ہیں اس لیے نیلو فر کے گھر میں صرف اس کی کم عمر بیٹی اور ماں رہتے ہیں جبکہ ٹین ایج بیٹا امریکہ میں بورڈنگ اسکول میں پڑھتا ہے۔)

ایک خوبصورت مگر چھوٹا سا بنگلہ رات کے اندھیرے میں اس کالونی میں کھڑا تھا۔ اس کے لان کی بتیاں اور کھڑکیاں روشن

Downloaded from PakSociety.com



نظر آرہی تھیں۔ کچن کے جالی دار پردے سے اندر میز پر اکٹھے ہو کے کھانا کھاتے لوگوں کے سایے دکھائی دیتے تھے۔ باہر تاریک سڑک پہ ایک درخت تلے کھڑی تالیہ غور سے ان افراد کو دیکھ رہی تھی۔ ایک نو عمر لڑکی.... خود نیلو فر اور ایک معمر عورت.... ان کے ہولوں سے اتنا ہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ تینوں کسی بات پہ بحث کرتی کھانے میں مشغول تھیں۔

(یہ ایک ڈیز کاشیڈ پول تھا۔ ایک اینڈر پالبت نیلو فر رات کو پارٹنر یا کلب میں پائی جاتی تھی۔ ہر ماہ کم از کم ایک پارٹی تو نیلو فر بھی دیتی ہے اور فی الوقت وہ اپنے مرد دوستوں کا ویسا ہی لہر ہے۔)

اب سوال یہ تھا کہ اس ساری روٹین میں نیلو فر اپنی کتاب کب اور کہاں لکھتی تھی؟ کیونکہ ابھی تک نہ اس کے ہاتھ میں کہیں قلم کاغذ نظر آیا تھا اور نہ ہی وہ لیسپ ٹاپ پہ ٹاپنگ کرتی دکھائی دی تھی۔

☆☆=====☆☆

تالیہ کے ہوٹل کا کمرہ اس صبح پہلے سے بہتر حالت میں تھا۔ اب جا بجا کاغذات نہیں بکھرے تھے بلکہ کھڑکی کے ساتھ ایک اسٹینڈ رکھا تھا جس پہ قلم چارٹ آویزاں تھے۔ وہ مارکر لئے کھڑی چارٹ پہ مختلف خانے بنا کے کچھ لکھ رہی تھی۔ (میں یہ سب تنہا بھی کر سکتی تھی۔ مجھے اس بدلچاظ آدمی کی قطعاً ضرورت نہیں تھی۔)

مارکر سے لکیر کھینچتے ناراضی سے سوچا۔ پھر سوچتی نظروں سے اس چارٹ کو دیکھا۔ نیلو فر کی کتاب کو اس کے ذہن سے نکالنے کے لیے اسے پہلے نیلو فر کے پبلیشر کو ڈھونڈنا تھا۔

(میں نے اس کو کچھ کہا کیوں نہیں؟ وہ میرے منہ پہ مجھے جا دو گرنی کہہ دیا.... اور میں دیکھتی رہ گئی۔ شیم آن یو تالیہ۔) اس نے مارکر سے پبلیشر لکھ کے سوالیہ نشان بنایا۔ اگر کتاب اگلے ماہ ریلیز ہو رہی تھی تو اب تک وہ پرنٹ میں جا چکی ہو گی۔ یہ سارا کام اس کا پبلیشر خفیہ طور پہ کروا رہا تھا۔ کون تھا وہ پبلیشر؟ (ہیری پوٹر کی جا دو گرنی..... یہی کہا تھا اس نے مجھے؟)

اسے نہ صرف نیلو فر کا منہ بند کروانا تھا بلکہ اس پبلیشر کو بھی ڈھونڈنا تھا۔ اگر کوئی نیلو فر کی کتاب اس موقع پہ تباہ کر سکتا تھا تو وہ پبلیشر تھا۔ وہی نیلو فر کو سمجھا سکتا تھا کہ یہ کتاب اتنے اسکیڈلز سے بھری ہے کہ قانونی فرنٹ پہ ان دونوں کو متحد دیکسٹر کا سامنا ہو سکتا تھا۔ نیلو فر دیوالیہ ہو جاتی مگر تب تک صوفیہ رٹمن بھی تباہ ہو چکی ہوتی۔

(میرے نزدیک تم ایک بے وقوف لڑکی ہو جو میرا بیک گراؤ بڈ چیک کروا کے....) اس نے سر جھٹکا اور صفحے پہ نگاہیں مرکوز کیں۔ نیلو فر اپنی نثر میں اتنی آگے جا چکی تھی کہ اسے اپنی پرواہ نہیں رہی تھی۔ بس کسی طرح صوفیہ تباہ ہو جائے۔ بعد کی وہ بعد میں دیکھے گی۔

Downloaded from PakSociety.com



اس نے مار کر بند کر کے رکھا اور چارٹ کا صفحہ پلٹ دیا۔ لکھا ہوا صفحہ پیچھے کو ٹٹکنے لگا اور سامنے نیا صفحہ آ گیا جس پہ پیٹنگ بنی تھی۔ اگر کوئی روم سروس میں سے آئے تو وہ بھی صفحہ دیکھے گا۔

(ایک ناشکری جا دو گئی.... جو دیا میسر ہونے کے باوجود اس پہ تالاب بنانے کی کوشش کرتی ہے....)

دروازے پہ دستک ہوئی تو اس نے (پیس) کہا اور خود صوفے پہ بیٹھ گئی۔ ویٹر ٹرے اٹھائے اندر آیا۔

وہ چند لمحوں کے لئے ہی فارغ ہوئی تھی اور فوراً سے کمرے کی پورانی اور تنہائی محسوس ہوئی تھی۔

ویٹر کافی رکھے لگا اور تالیہ نے موبائل کی اسکرین روشن کی۔

(جو دیا میسر ہونے کو باوجود اس پہ تالاب بناتی ہے۔ ہٹ پوٹو واٹ.....)

ای میلز کھولیں تو چند نئی ای میلز اس کے انتظار میں تھیں۔ اس نے پڑھے بنائے ایک ایک کو مارک کر کے مٹا دیا۔

(تم کوئی ساحرہ نہیں ہو....)

”میم.... پردے کھول دوں؟“ ویٹر نے ادب سے انگریزی میں پوچھا۔ پاؤں میز پہ رکھے بیٹھی تالیہ نے سر کو خم دیا۔ ویٹر

آگے آیا اور پردے ہٹا دیے۔ صبح کی سفیدی تیزی سے اندر آئی تو تالیہ کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

(تم کوئی ساحرہ نہیں ہو....)

اس نے موبائل دکھ دیا اور کنپٹیاں سہلائیں۔ اس آدمی کے الفاظ بار بار ذہن میں گونجتے تھے۔

(تم کوئی ساحرہ نہیں ہونہ میں تمہارا ملازم ہوں۔)

وہ کمرے سے ٹٹکنے پہ راضی نہ تھی اسی لیے ہاؤس کیپٹن کے عملے کو بلوایا تھا۔ دو میڈز اب جلدی جلدی کمرے کی صفائی

میں لگی تھیں۔ ایک بیڈ شیٹ تبدیل کر رہی تھی اور دوسری ویکيوم لگا رہی تھی۔ وہ چپ چاپ بیٹھی ان کو دیکھے گئی۔

(یہ میرا ہوم ٹرف ہے۔ میرے ساتھ گیمز نہ کھیلو۔ تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے تو میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔)

کال تلے مٹھی رکھے اس کی باتوں کو سوچتے ہوئے تالیہ نے بھونپ چڑھا کے سر جھٹکا۔

اسے احمد نظام پہ غصہ آیا تھا۔ کتنے مان سے انہوں نے کہا تھا کہ وہ آدمی اس کی مدد کرے گا۔

(یہ میرا ہوم ٹرف ہے۔)

اور یہ کبے شک وہ تھوڑے عرصے سے ہی معر میں رہائش پذیر ہوا ہے مگر وہ وہاں ہر ضروری شخص یا جگہ کو جانتا ہے۔ لیکن

اس آدمی نے کیا کیا؟ وہ اسے چھوڑ کے چلا گیا۔ وہ احمد نظام کو واپس جا کے کہے گی ضرور کہ....

(یہ میرا ہوم ٹرف ہے۔)

Downloaded from PakSociety.com



تالیہ کے ایر و اجنبی سے اکٹھے ہوئے۔

ایک منٹ۔ کیا کہا تھا احمد نظام نے؟ وہ ”کچھ ماہ“ سے مصر میں مقیم ہے تو پھر مصر اس کا ہوم ٹرف کیسے ہوا؟  
ندہ مصری تھا نہ برسوں سے وہاں مقیم تھا؟ پھر اس نے کیوں کہا کہ بیاس کا ہوم ٹرف تھا؟  
یا وہ کچھ اور کہہ رہا تھا؟

(دیا کے اوپر تالاب.... ٹرف... ہیری پوٹر کی جادوگرنی.....)

وہ تیزی سے سیدھی ہوئی اور کھڑکی سے باہر دیکھا۔ اب وہ درختوں کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ دھوپ میں چمکتے نیلے تالاب کو دیکھ رہی تھی۔

”سنو؟“ وہ ملازمہ کی طرف گھومی۔ ویکوم کرتی عورت نے سر اٹھا کے اسے دیکھا اور ویکوم کا بٹن آف کیا۔  
”جی؟“

”قاہرہ میں....“ اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ”قاہرہ میں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں دیا کے اوپر تالاب بنا ہو؟  
دریائے نیل کے اوپر.... تالاب؟“

وہ ملازمہ سمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔ البتہ تکیے کا غلاف چڑھاتی دوسری ملازمہ نے فوراً کہا۔  
”دریائے نیل پہ مصنوعی تالاب تو نہیں ہوتے لیکن....“  
”لیکن؟“ وہ سانس روکے منتظر تھی۔

”دریا میں جو کروڑ شپس cruise ships چلتی ہیں.... ان کے عرشے پہ سوئمنگ پول بنے ہوتے ہیں۔“  
”اور ان تالابوں کے ساتھ گھاس کے مصنوعی ٹرف بھی بنے ہوں گے؟“

میڈ نے سر ہلایا۔ ”جی.... یہ کروڑ شپ پورے ہوٹل ہوتے ہیں اور ان کے عرشے پہ ٹرف سوئمنگ پول ریسٹوران سب ہوتا ہے۔“

”اور.... اور سیاح ان بحری جہازوں میں کمرہ لے کر.... اس کو اپنا ”گھر“ بنا کے رہتے ہیں؟“ وہ سمجھنے والے انداز میں سر ہلارہی تھی۔ (ہوم ٹرف۔) ”کتنے کروڑ شپ ہوں گے اس وقت نیل کے دریا میں؟“  
”بہت سے ہیں“ مگر یہ پول اور گراس ٹرف وغیرہ صرف لگژری جہازوں پہ ہوتے ہیں۔“

”تھینک یو۔“ اس نے جھٹ سے لیپ ٹاپ کھولا اور کی بورڈ پہ انگلیاں چلانے لگی۔ دیا پہ تالاب.... ہوم ٹرف.... وہ اس کو اپنی لوکیشن بتا رہا تھا۔ کہ جب وہ اس پہ اعتبار کرنے کے قابل ہو جائے تو اسے ڈھونڈ لے تاکہ دولت صاحب کے

Downloaded from PakSociety.com



تعاقب کارا اگر سن بھی رہے ہیں تو کچھ جان نہ پائیں۔

کیا وہ آدمی کوئی بات سیدھے طریقے سے نہیں کہہ سکتا تھا؟

اسکرین پہ اب دریائے نل میں چلنے والی لکڑی شپ کے ناموں کی فہرست جگمگا رہی تھی۔ یہ تو بہت سارے نام تھے۔ اس کا دل ڈوبا۔ وہ انہی میں سے ایک پہاڑ سے ملے گا..... مگر وہ کیسے معلوم کرے کہ جہان کا ہوم ان میں سے کون سا تھا؟ اس نے بے چین نظریں اسکرین پہ اوپر سے نیچے دوڑائیں۔

**Alexander the Great Nile Cruise**

**Nile Goddess Cruise**

زہرہ نائل کروڑ

رادامیس دوم نائل کروڑ

**Minerva Cruise**

وہ کھلے دل سے مسکرا دی۔

وہ اسے منروا کروڑ پہ ملے گا۔

”منروا میک گال“ ہیری پوٹر کی ایک جادوگرنی کا نام تھا۔

اس نے مسکراتے ہوئے لیپ ٹاپ بند کیا اور اپنی چیزیں سیٹنے لگی۔ اب وہ خرید تھا نہیں رہنا چاہتی تھی۔

جانے سے پہلے اس نے کھڑکی کا پردہ تختی سے بند کر دیا۔ تالاب اور درخت پھر سے چھپ گئے۔

☆☆=====☆☆

نل کا دریا کسی سانپ کی طرح بھورے خشک ٹیلوں کے درمیان سے گزرتا تھا۔

کہیں کہیں ان ٹیلوں کے کنارے سبزے سے بھرے ہوتے اور یوں لگتا کہ بھوری زمین کے درمیان چہتے دریا کے

اطراف میں باریک سا سبز بارڈر بنا ہے۔

دریا کا پانی اس وقت سورج کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ اس کے ساحل پہ ایک بڑا سا بحری جہاز کھڑا تھا جس سے لوگ اتر

رہے تھے۔

بحری جہاز مستطیل تھا۔ بالکل جیسے کوئی مستطیل عمارت ہو۔ دور سے اس کی قطار در قطار کھڑکیاں دکھائی دیتی تھیں۔ وہ کئی

منزلہ تھا اور گراؤ ٹیبلور پہ بالکل ہوٹل کے داخلی دروازے کی طرح Entrance بنی تھی۔ اندر جاؤ تو روشنیوں سے نہائی لابی

**Downloaded from Paksociety.com**



تھی۔ لاؤنج صوفے، ریسیپشن ڈیسک.... لفٹ کے کھلتے بند ہوتے دروازے، ٹرے اٹھا کے گھومتے ویٹرز۔

منروا کی پہلی منزل پہ کنسیو، ریسٹوران، ہال روم اور کھانے پینے کے دیوان بنے تھے۔ اوپر والی تمام منزلوں پہ پر تعیش کمرے تھے جہاں مہمان ٹھہرتے تھے۔

جہاز کا عرشہ طویل سا تھا۔ اس پہ ایک طرف اوپن ایئر ریسٹوران بنا تھا جہاں میزوں کے گرد کرسیوں کے پھول بنے تھے اور دوسری جانب گھاس کی ٹرف تھی۔ اس کے پار بڑا سا سونگ پل تھا جس کا نیلا پانی دھوپ میں چمک رہا تھا۔ پول کے چاروں طرف سفید چیز رکھے تھے مگر اس وقت وہاں کوئی لیٹایا دھوپ سینکنا دکھائی نہ دیتا تھا کیونکہ یہ جہاز کے آف لوڈ کا وقت تھا۔ سات دن کے سفر کے بعد مہمان اتر کے واپس جا رہے تھے۔

سات دن تک جہاز نے خراماں خراماں نل میں تیرتے ہوئے اپنے مہمانوں کو مختلف تاریخی مقامات اور اہرام دکھائے تھے۔ اب سفر ختم ہو چکا تھا اور عرشہ قریباً خالی تھا۔

ایسے میں وہ عرشے کی ریلنگ پہ تنہا کھڑا جھک کے دیا کو دیکھ رہا تھا۔ عقب سے آتی تالیہ کی طرف اس کی پشت تھی۔  
”تم مجھے آسان الفاظ میں بھی بتا سکتے تھے کہ تم میرے ہوٹل میں تعاقب کاروں سے تنگ ہو۔“  
سفید ہیٹ والی لڑکی گھاس پہ چلتی اس کے قریب آ کے رکی۔

ریلنگ پہ جھکے جہان نے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔ اس نے جینز میڈل کی نیلی کالر والی شرٹ پہن رکھی تھی اور آستین کھینچوں تک چڑھائے ہوئے تھے۔ گہرے بھورے بال ماتھے پہ بکھرے تھے اور آنکھوں پہ ڈارک سن گلاسز تھے۔ اس لئے وہ اس کی آنکھوں کے تاثرات دیکھ نہ پائی۔

”تمہیں دو دن لگ گئے مجھے ڈھونڈنے میں۔“

تالیہ نے ہیٹ ترچھا کر کے چھتی نظروں سے اسے دیکھا۔

”آخری دفعہ آئی ہوں۔ اب تمہارا کوئی پزل حل نہیں کروں گی۔“

جواب میں اس نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔ ”میں چاہتا تھا تم ان بدختموں کی قید سے اپنا ذہن آزاد کرو اور کام پہ

فوکس کرو۔ تم یہاں تک آ گئی ہو اس کا مطلب ہے کہ تم کام کے لیے تیار ہو۔“

تالیہ اچھبے سے اس کو دیکھنے لگی۔ ہوا تیز تھی اور اسے بار بار اپنا ہیٹ سر پہختی سے جمانا پڑتا تھا۔ اسکرٹ اس کے ٹخنوں کے گرد ہوا سے پھڑپھڑا رہی تھی۔

”تم نے کہا تھا تم لوگوں کو بھی فکس کرتے ہو۔ تو تم مجھے فکس کر رہے تھے؟“

Downloaded from PakSociety.com



سن گلاسز پہنے کھڑا آدمی مسکرایا۔ ”کیوں؟ کیا تم دو دن پہلے کے مقابلے میں بہتر نہیں ہو؟“

وہ چپ ہو گئی۔ یہ وہ آدمی نہیں تھا جو اس سے پہلی دفعہ ملا تھا۔ شاید اب اس کو معلوم تھا کہ ارد گرد کوئی ان کا تعاقب نہیں کر رہا۔

”ہاں۔ میں بہتر ہوں۔ مگر تم.....“ اس نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ ”تم بتاؤ.... تمہیں واقعی پیسے چاہیے ہیں اس کام کے؟“

”میں پیسوں کے لئے کام نہیں کرتا، تالیہ۔ میں اپنے دوست کا مان رکھنے کے لئے یہ کروں گا۔ احمد نظام کا ایک ادھار ہے مجھے یہ۔“

”تو پھر تم نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا کہ تمہیں اتنے اور اتنے پیسے چاہیے ہیں؟“

جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑے جہان نے مسکرا کے کندھا چکائے۔

”I lie for a living.“ (جھوٹ بولنا میری نوکری ہے۔)

”ہوں.... مگر کسی نے مجھے کہا تھا کہ کچھ بھی مفت نہیں ملتا۔“ وہ جتا کے بولی۔ دونوں بحری جہاز کی ریلنگ پہ آئے سانسے کھڑے تھے اور ان کے گرد ہوا بہت تیز تھی۔

”کچھ تو تم مانگو گے بدلے میں۔ نہیں؟“

”ہاں۔ تم میرے لیے ایک چیز کر سکتی ہو۔“ وہ ہنا تامل کے بولا۔ ”جب میں نے تمہارے بارے میں سنا تو احمد نظام نے مجھے تمہارے بطور ایک کون وومن ”ایکٹو“ دورانیے کی ٹائم لائن دکھائی.... یعنی وہ تمام سال جن میں تم نے چوریاں کی تھیں.... تو میں نے نوٹ کیا کہ تم اس وقت کے ایل میں تھیں جب ایک رام کرشن نامی ایک ملے آئل ٹینک کے پرائیوٹ میوزیم سے ایک چوری ہوئی تھی۔ تین رنگوں کے ہیروں والا ایک کنگن جس میں اہرام کی صورت ہیرے جڑے تھے۔“

تالیہ ایک دم کھلکھلا کے ہنس دی۔

”The heist of three pyramids“ وہ مسکرا کے بولی۔ (تین اہرام کی چوری)

”ابور میں جانتا ہوں عالم کہ وہ کنگن تم نے ہی چرایا تھا۔“

”اگر میں نے چرایا بھی ہو تو اب تک تو میں اسے بیچ چکی ہوں گی۔ نہیں؟“ مصومیت سے پوچھا۔ ”تمہیں تو دے نہیں سکتی۔“

”مجھے وہ کنگن نہیں چاہیے۔ میں صرف یہ جانتا چاہتا ہوں کہ تم نے وہ کیسے کیا؟“

Downloaded from PakSociety.com



”تم یہ جان کے کیا کرو گے؟“ تالیہ نے مسکراہٹ دہا کے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

”کیونکہ اس میوزیم کی سکیورٹی جس فرم کے ذمے تھی، وہ اس قسم کے ٹمپرچر Sensitive شے کے ہاکنز میں چیزیں ڈالتے ہیں کہ الارم بجائے بغیر ان کو کھولنا ناممکن ہوتا ہے۔ میں آج تک ایسا نہیں کر سکا۔ اس لیے میں اس واردات پہ بہت حیران ہوا تھا کیونکہ پہلی دفعہ ان کی فرم کی مہیا کی گئی سکیورٹی میں ایسا بریچ ہوا تھا۔ وہ کنگن ہاکنسی الارم کے شور کے یوں غائب ہوا جیسے کبھی اندر تھا ہی نہیں۔ میں تمہاری آخر تک مدد کروں گا۔ تمہیں صرف مجھے یہ بتانا ہوگا کہ تم نے وہ کیسے کیا؟“

وہ پھر سے مسکرا دی۔ ”تو تم مجھ سے کچھ سیکھنا چاہتے ہو۔ تمہارے اس سوال کا جواب بہت آسان ہے، میں ایک فھرے میں تمہیں بتا سکتی ہوں، مگر....“ وہ رکی اور آنکھیں گھمائیں۔ ”میں نے ابھی بتا دیا تو تم مجھے پھوڑ کے چلے جاؤ گے۔ اس لیے میں تمہیں اس کا جواب کام کے بعد دوں گی۔“

”ظاہر ہے!“ وہ امر و اچکا کے بولا۔

تالیہ نے گردن گھما کے ادھر ادھر دیکھا۔

”تو تم یہاں اس کروڑ پہ رہتے ہو؟ یہ تمہارا گھر ہے؟“

”میرا نہیں۔ یہ تمہارا گھر ہے۔ تمہیں.... بلکہ ہم دونوں کو کل سے یہاں آ کے رہنا ہوگا۔ ایک ہفتے کے لئے۔“

وہ چونکی۔ ”کیوں؟“

”کیونکہ تمہارے پاس صرف آٹھ دن ہیں۔ کل صبح نیلو فریجنت اپنی فیملی اور فرینڈز کے ساتھ اس کروڑ پہ سوار ہوگی۔ ایک ہفتے کے ٹور کے بعد جب کروڑ ساحل پہ اترے گی تو وہ اپنے گھر جائے گی اور سامان سمیٹ کے کینیڈا کے لئے روانہ ہو جائے گی۔ وہاں جا کے وہ اسٹائلیم (پناہ) کے لیے اپلائی کروڑے گی اپنی کتاب لائچ کرے گی اور ہمیشہ کے لئے تمہارے لوگوں کی پہنچ سے دور ہو جائے گی۔ اس لئے تمہیں اس کی کتاب اس کے دماغ، دل جہاں سے بھی جہانی ہے، اسی کروڑ پہ اگلے سات دنوں میں جہانی ہے۔“

”اوہ!“ اس نے لب گولائی میں سکوڑے۔ ”تو ہم کہاں سے شروع کریں؟ میں نے کل اس کو فاکو کیا تھا اور....“ وہ تیز تر بتانے لگی۔ ”مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ اسٹیک شاپ چلاتی ہے، دوستوں سے ملتی ہے، ہینک آؤٹ کرتی ہے، شاپنگ کرتی ہے اور رات کو گھر چلی جاتی ہے۔ اس کی کتاب کو روکنے سے پہلے ہمیں اس کی کتاب کا اصل مسودہ حاصل کرنا ہے اور اس کے پبلیشر کو ڈھونڈنا ہے تاکہ.....“

جہان نے گلاسز اتارے اور آنسوؤں بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

Downloaded from PakSociety.com



”تم نے دو دن جن باتوں کو معلوم کرنے میں ضائع کیے ہیں وہ تمہیں اس کے انسٹاگرام سے بھی معلوم ہو سکتی تھیں۔“

”اوہ... اور تم نے کیا معلوم کیا ہے اس کے بارے میں دو دن میں؟“ تالیہ کا دوستانہ لہجہ طنز میں بدل گیا۔

جواباً وہ مڑا اور جوگرز سے گھاس پہ چلتے ہوئے میکا کی انداز میں کہنے لگا۔

”میں نے تمہاری طرح اس کے لنچ‘ کافی اور ڈنرز پہ اس کا تعاقب نہیں کیا۔ بلکہ میں نے اس کے فنانشل ریکارڈز دیکھے۔ کریڈٹ کارڈز کے بلز دیکھے۔ اور میرا خیال ہے وہ کوئی کتاب نہیں لکھ رہی۔ وہ صرف صوفیہ رٹن کو دھمکا رہی ہے تاکہ اپنی قیمت بڑھائے۔“

”نہیں۔ وہ واقعی کتاب لکھ رہی ہے۔“

”تو اس کا کوئی ثبوت تو ہونا چاہیے تھا۔“ وہ دونوں گھاس پہ ساتھ ساتھ چلنے لگے تھے۔ ”میں نے اس کی بینک اسٹیٹمنٹ میں کتاب کی ایڈوانس رائلٹی کے نام پہ کوئی پے منٹ نہیں دیکھی۔ بلکہ اس کو کوئی بڑی پے منٹ ملی ہی نہیں ہے۔ اس کے فون ریکارڈز میں کسی پبلشر یا لٹرییری ایجنٹ کا نمبر نہیں ہے۔“

”پھر وہ ان سے واٹس ایپ یا ای میل پہ رابطہ کرتی ہوگی۔“

مگر وہ اس کو سنے بغیر بولے جا رہا تھا۔ ”اس کے گھر جو ڈاک موصول ہوتی ہے اس میں کسی گھوسٹ رائٹر‘ صحافی یا پبلشر کا ایڈریس نہیں تھا۔ یوں مجھے لگا شاید کوئی اس کی جگہ کتاب لکھ رہا ہو۔ کوئی گھوسٹ رائٹر۔ مگر نہیں۔ میں نے معر میں انگریزی کتابیں چھاپنے والے اور کینیڈا کے بڑے لٹرییری ایجنٹس سے بھی رابطہ کیا ہے۔ کوئی بھی اس سے رابطے میں نہیں ہے۔ چند لوگوں نے اس کو آفر کی تھی مگر کتاب میں عبدالرحمن پہ اتنے الزامات کا خطرہ ہے کہ نامور پبلشرز پیچھے ہٹ گئے کیونکہ صوفیہ ان پہ مقدمات کر دے گی۔“

”اس کا مطلب ہے کہ جو پبلشر اس کی کتاب چھاپ رہا ہے وہ اس سے کسی دوسرے نام کا وائٹ اور نمبر سے رابطے سے ہوگی اور پیسے لے رہی ہوگی۔“

”اگر ایسا ہوتا تو وہ فنانسلی اتنی کمزور نہ ہوتی۔ یہ دیکھیں بھی اس کے کسی مردداح نے اس کو بک کروا کے دی ہے۔“ بھری جہاز کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہ یاد رکھو تالیہ کہ کوئی بڑا پبلشر اس کی کتاب کو صوفیہ رٹن کو دکھائے اور اس کا کنٹ لے بغیر قانونی طور پہ نہیں چھاپ سکتا۔ کینیڈا جیسے ملک میں تو کبھی بھی نہیں۔“

”یعنی اس کا پبلشر اتنا بڑا رسک لے رہا ہے تو وہ بھی صوفیہ سے اتنی ہی نفرت کرتا ہوگا جتنی نیلو فر کرتی ہوگی۔“

جہان نے گھاس پہ چلتے ہوئے گہری سانس لے کر شانے اچکائے۔ ”ہاں۔ یہ ہو سکتا ہے۔ لیکن میں نے اس کے شاپنگ

Downloaded from PakSociety.com



بلز بھی چیک کیے۔ وہ نہ کسی بک شاپ پہ جاتی ہے نہ قلم کاغذ خریدتی ہے۔ سوائے اس کی بچی کی اسٹیشنری شاپنگ کے اس کے گھر کوئی کاغذ نہیں آتا۔“

”تو وہ لیپ ٹاپ پہ لکھتی ہوگی۔“ وہ ہر بات کا جواب دے رہی تھی۔ وہ رکاوٹیں جیتی نظروں سے اسے دیکھا۔

”لو کے۔ آپ بتائیں۔ آپ نے کیا معلوم کیا اس کے بارے میں؟“ طنز سے کہہ کے وہ چلتے چلتے ایک جگہ کا اور جوگر کی ٹوک سے گھاس کو مسلا۔ ایک چوکور سا قطع اکڑنے لگا تو اس نے جوگر سے واپس اس کو درست حالت پہ کر دیا اور پھر سے چلتے لگا۔

”میں تو بس اس کے لٹچ ڈنرس کافی اور لیپ اسٹک نوٹ کر رہی تھی۔“

”تم سے ہی امید تھی مجھے۔“ چلتے چلتے وہ دونوں پول کے کنارے آچکے تھے جہاں خالی چیز رکھے تھے۔ جہان نے گزرتے ہوئے ایک ترچھہ رکھے چیز کو ہاتھ سے موڑ کے سیدھا کیا اور اپنی کارروائی میان کرنے لگا۔

”میں ان دونوں میں اس کے کانٹیکٹس دوستوں رشتے داروں کو بھی چیک کر چکا ہوں۔ اگر وہ بک پبلشنگ کے لئے کینیڈا جا رہی ہے تو وہاں موجود اس کا کوئی جاننے والا اس کے پبلشر سے آگاہ نہیں ہے۔ اگر وہ واقعی کتاب لکھ رہی ہے تو اس کتاب کی دوسری کاپی اس کے پبلشر کے پاس ہوگی۔ مگر پبلشر کون ہے اور کہاں ہے؟“

”واؤ تمہیں دو دن میں اس کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو گیا۔ تم ویسے کرتے کیا ہو؟“

بھیوں میں ہاتھ ڈالتے چلتا جہان مسکرایا اور نظریں ترچھی کر کے اسے دیکھا۔

”ہٹا چکا ہوں۔ مکینک ہوں۔“

”پہلے مجھے لگا کہ تم کسی مافیا کے لیے کام کرنے والے کرمل ہو مگر نہیں۔“

وہ ایک دم اس کے سامنے آئی تو وہ رک گیا۔

ہیٹ والی لڑکی آنکھوں میں چمک لیے اسے دیکھ رہی تھی۔ ”تم جاسوس ہو۔“

”اچھا اور یہ تمہیں میرے لٹچ ڈنرز اور کافی پہ تعاقب کر کے معلوم ہوا؟“ جواب اطمینان سے آیا تھا۔

”دیکھو... تم صرف چند ماہ سے یہاں ہو۔ نام معلوم نہیں اصلی ہے یا جعلی... مگر تم جیسے لوگ اتنے ماہ میں اگر اتنے کانٹیکٹس بنالیں تو وہ انڈر کور آپریٹوز ہوتے ہیں۔ پہلی طرح کے انڈر کور آپریٹوز مافیا یا برے لوگوں کے لئے کام کرتے ہیں۔ مگر تمہیں پیسے نہیں چاہیے ہیں اس کا مطلب ہے تم اقدار اور روایات کا پاس رکھو والے ہو اور تمہارا تعلق دوسری طرح کے آپریٹوز سے ہے جو حکومتی جاسوس ہوتے ہیں۔ کس حکومت کے؟ یہ بتانا مشکل ہے مگر تم چور نہیں ہو۔ تم کون میں بھی نہیں ہو۔ تم جاسوس ہو۔“

Downloaded from Pakvociety.com



جہان کے تاثرات نہیں بدلے۔ وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ کے ابرو اٹھا کے بولا۔

”اس کے علاوہ مزید کوئی گیس میرے ہارے میں؟“

”تمہیں چہرے میں فکس کرنا پسند ہیں۔ تم دوسروں کا انتظار کیے بغیر ان کو خود سے ٹھیک کرنے لگتے ہو اس کا مطلب ہے تم نے

زندگی کا ایک لمبا عرصہ اکیلے خود انحصاری کرتے ہوئے گزارا ہے اور تم کسی پہ اعتبار نہیں کرتے۔“

”تمہاری بات رد کر کے میں تمہارا دل نہیں توڑوں گا لیکن....“ افسوس سے گہری سانس لی۔ ”آئی وٹن تم نے اپنی یہ

Skills نیلو فرپہ استعمال کی ہوتیں تو ہمیں یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ کتاب کب اور کہاں بیٹھ کے لکھتی ہے۔“

کہہ کے وہ آگے بڑھا تو وہ اس طرح کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ پھر پیچھے سے پکارا۔

”وہ روز صبح اپنی لائیک شاپ کے آفس کے اندر بیٹھ کے اپنی کتاب لکھتی ہے۔“

جہان کے قدم وہیں زنجیر ہوئے۔ وہ آہستہ سے گھوما اور اس کی طرف چہرہ موڑا تو آنکھوں میں واضح حیرت تھی۔

”تمہیں کیسے معلوم؟ تم تو کل اس کی شاپ کے اندر تک نہیں گئی تھیں۔“

”کیونکہ جب تم اس کے فائنل ریکارڈز کریڈٹ کارڈز اور فائنل ڈیٹیلز کو کتنے سال رہے تھے تو میں اس کی لپ اسٹک

نوٹ کر رہی تھی۔“

مینے پہ بازو لپیٹے کھڑی لڑکی مسکرا کے کہہ رہی تھی۔

”تم اچھے جاسوس ہو لیکن نہ تم لڑکی ہو نہ تم کسی رائٹر کے فرینڈ رہے ہو نہ تم نوٹ کرتے کہ جب وہ کافی لے کر اپنی شاپ

میں داخل ہوتی ہے تو اس کے کپ پہ اس کی لپ اسٹک کا کوئی نشان نہیں ہوتا۔ یعنی وہ کار میں کافی نہیں بیٹتی۔ کافی شاپ

اس کی لائیک دکان سے دس منٹ کی ڈرائیو پہ ہے۔ جو لوگ ورک پلیس پہ جانے سے پہلے کافی لیتے ہیں وہ کار میں ہی اس کو

ختم کر لیتے ہیں (کہتے ہوئے وہ رکی۔ کوئی یاد آیا تھا۔).... تا کہ آفس میں داخل ہو کے کام کے ساتھ ان کو کچھ پینا نہ پڑے

اور وہ فریش ہوں۔ مگر وہ کون ہوتا ہے جس کو اپنے کام کے ساتھ ساتھ Caffeine درکار ہوتی ہے؟“

وہ تھوڑی اٹھا کر مسکرا کے اس سے پوچھ رہی تھی۔ ہوا سے اس کے جیسٹ سے نکلتے بال پھڑپھڑاتے ہوئے پیچھے کواڑ رہے

تھے۔

”رائٹر!“ وہ دھیرے سے بولا۔

”بالکل۔ رائٹرز کو کیفین آکسیجن کی طرح چاہیے ہوتی ہے۔ اور میں ایک رائٹر کے ساتھ ایک لمبا عرصہ گزار چکی ہوں۔

رائٹر صرف ان اوقات میں لکھتے ہیں جب وہ فریش ہوں اور ساتھ ساتھ چائے یا کافی پیتے ہیں۔ وہ اپنی کافی کو آفس کے اندر

**Downloaded from Paksociety.com**



لے کر جاتی ہے اور اسے اپنے کام کے ساتھ نبھائے کر کے بیٹھا جانتی ہے۔ ہاتی سارا دن نیلو فر کا مصروف گزرتا ہے۔ اگر وہ واقعی کتاب لکھ رہی ہے تو ذہن کی تازگی اسے صرف صبح کے ان اوقات میں میسر ہوتی ہے۔“

وہ دونوں ابرو اٹھا کے اسے دیکھتے ہوئے چند لمحے خاموش رہا۔ وہ انتظار کرتی رہی کہ وہ تعریف کرنے کا نگر اس نے بے پردہی سے شانے اچکا دیے۔

”لو کے۔ کول۔ یعنی وہ واقعی کتاب لکھ رہی ہے۔ ٹھیک ہے ہم اس کا آفس چیک کر لیں گے۔ رات میں۔ کچھ نہ کچھ ملے گا ہاں ہے۔“ پھر اس نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ ”اب مجھے چلنا چاہیے۔“

”مگر رات کو کب اور کیسے جانا ہے اس کی دکان میں؟ پلان تو ڈسکس کرو۔“

”ابھی مجھے دیر ہو رہی ہے۔ شام میں تمہارے ہوٹل آؤں گا تو بات کریں گے۔ اپنے تعاقب کاروں سے بیچھا چھڑا لینا پلیز۔“

تالیہ نے پتلیاں سکڑ کے غور سے اسے دیکھا۔ ”تمہیں شاید کہیں پہنچنا ہے؟“

”اور تمہیں لگتا ہے میں تمہیں اس سوال کا جواب دوں گا؟“ ابرو اچکا کے عجیبگی سے کہتا آگے بڑھ گیا۔ وہ سوچتی نظروں سے اس کا تعاقب کرنے لگی جواب پول کے کنارے چلتا دور جا رہا تھا۔ اسے واقعی کہیں پہنچنے کی عجلت تھی۔

☆☆=====☆☆

شام کی نیلا ہٹ قاہرہ پہ پھیلنے لگی تو ہوٹل کے تالاب کے ساتھ درختوں کے جھنڈ پہ پر اسراریت چھانے لگی۔ اسی وقت تالاب اور ارد گرد کی زرد روشنیاں ہوٹل کے عملے نے جلا دیں مگر سنہری ورق سے ڈھکے درخت مزید پر اسرار دکھائی دینے لگے۔

پول کے اگر دیوار کرسیوں پہ مہمان بیٹھے شام کے قبوے سے لطف اندوز ہوتے نظر آ رہے تھے اور یہ منظر تالیہ کے کمرے کی کھڑکی سے صاف نظر آتا تھا۔

کھڑکی کے سامنے چھوٹی میز تھی جس کے گرد آ منے سامنے دو کرسیاں رکھی تھیں۔ وہ دونوں ان پہ بیٹھے تھے۔ جہان اپنے فون پہ کچھ دیکھ رہا تھا۔ پی کیپ اس نے نہیں پہن رکھی تھیں اور گہرے بھورے بال ماتھے پہ بکھرے تھے۔ فون اسکرین پہ انگلی چلاتے ہوئے وہ گاہے بگاہے ایک سنجیدہ نظر سامنے بیٹھی تالیہ پہ ڈالتا اور واپس اپنے موبائل کو دیکھنے لگتا۔

وہ البتہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ چونکہ جہان مقابل بیٹھا تھا تو اس کے سامنے تالیہ کے لیپ ٹاپ کی پشت تھی۔ وہ بھنویں بھینچے اپنی اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔

Downloaded from Paksociety.com



ان ہا کس کھلا تھا اور ای میل کی طویل قطار آج بھی موجود تھی۔ سب سے زیادہ ای میل وائیڈم کی تھیں۔ وہ کتنی دیر چبھتی نظروں سے ان کو دیکھتی رہی پھر ایک ایک کر کے ہر ای میل کو قطار میں مارک کیا اور ڈیلیٹ کا بٹن دہرایا۔

”اگر ای میل ڈیلیٹ ہی کرنی ہیں تو ہمارا پتا ان ہا کس کیوں کھلتی ہو؟“

تالیہ نے بری طرح چونک کے سر اٹھایا۔ وہ کرسی پہ ٹیک لگائے اپنے موبائل کو دیکھتے ہوئے سرسری سا تبصرہ کر رہا تھا۔ تالیہ نے بے یقینی سے اپنی اسکرین کو دیکھا اور پھر سر جھکائے بیٹھے جہان کو۔

”تمہیں کیسے معلوم کہ میں اپنی اسکرین پہ کیا کر رہی ہوں؟ ایک منٹ ایک منٹ؟“

اس کے ماتھے پہ بل پڑے اور چہرہ سرخ ہوا۔

”وہ سمجھو تم نے مجھے دی تھی وہ صرف میری لوکیشن ٹریس نہیں کر رہی تھی بلکہ تم نے اس سے میرا فون اور ای میل بھی ہیک کر لیا ہے؟ تم یہ کیسے کر سکتے ہو؟ میں نے تم پہ اعتبار کر کے تمہارے ساتھ کام کرنا شروع کیا اور تم... تم میری پرائیویسی کو بریج کرتے رہے ہو۔“ اس کے اندر جیسے غصہ ابل ابل رہا تھا۔ وائیڈم کا سارا غصہ وہ اس پہ نکال رہی تھی۔

جہان نے آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا پھر ابرو سے پیچھے کی طرف اشارہ کیا۔ تالیہ نے نا سمجھی سے گردن موڑی۔

اس کے پیچھے ڈریسنگ ٹیبل کا قد آور آئینہ آویزاں تھا جو اس کے لیپ ٹاپ کی اسکرین کا عکس واضح دکھا رہا تھا۔

تالیہ نے اب کے چہرہ آہستہ سے واپس موڑا۔ گالوں کی سرخی کم ہوئی مگر وہ پھر بھی گردن کڑا کے بولی۔

”ہاں تو مجھے کیا معلوم تم آئینے میں دیکھ رہے تھے یا تم نے میری اسکرین کو اپنے موبائل پہ mirror کر رکھا ہے۔“

ہاتھ سے بال کان کے پیچھے اڑے اور شرمندگی چھپانے کو دوبارہ کندھے اچکائے۔ مگر اسکرین فوراً سے ٹھپ بند کر دی۔ (پتہ نہیں اس نے اور کیا کیا دیکھا ہے میری اسکرین پہ)

”میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ تم کافی دیر سے ٹویٹر پہ کسی کو اسٹاک کر رہی تھیں۔“ وہ نظریں اپنے فون پہ جھکائے پھر سے تبصرہ کر رہا تھا۔ تالیہ نے تھوک نگلا اور نگلی سے اسے دیکھا۔

”میں اپنا ٹویٹر دیکھ رہی تھی۔ کسی اور کا نہیں۔“

”ایک نصیحت کروں تالیہ؟ اگر تم پیچھے رہ جانے والوں سے رابطہ نہیں کرنا چاہتی تو ان کو اسٹاک کرنا اور اپنا ان ہا کس کھولنا بند کر دو اور کام پہ فوکس کرو۔“

”لوہر میں تمہیں ایک نصیحت کروں جہان؟“ وہ جواباً چمک کے بولی۔ ”تم مجھے میرے دوستوں کے بارے میں نصیحت نہ

ہی کرو تو بہتر ہے۔ تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے کہ میرے اندر اس وقت کیا چل رہا ہے میں کن حالات سے گزر رہی ہوں اور



میرے کیا مسئلے ہیں؟“

جہان کی موبائل پہ چلتی انگلیاں تھمیں۔ آنکھیں اٹھا کے بے تاثر نظروں سے اسے دیکھا۔

”ہوٹل سے نکلو اور مین بلیوارڈ سے دائیں مڑو تو دوسرے بلاک میں ایک سائیکا ٹرسٹ کا کلیٹک ہے۔ چار پانچ سیشن لگا

آؤ اس کے پاس۔ امید ہے افاقہ ہوگا۔“

تالیہ نے ضبط سے لب بھنجے اور پھر کچھ سخت کہنے ہی لگی تھی کہ جہان کے موبائل کی ٹون بجی۔ وہ تیزی سے سیدھا ہوا۔

”نیلو فر اپنی شاپ بند کر کے جا چکی ہے۔ اب اس کی شاپ میں ہم جا سکتے ہیں۔ چلو۔“ وہ موبائل جیب میں ڈالتا اٹھا اور

پنی کیپ سر پہ جمائی۔

”تھیر اپنی تم وہاں سے واپس آ کے بھی کروا سکتی ہو۔ No Offence۔“

کندھے اچکا کے ازلی بے مروت انداز میں بولا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ تالیہ نے محض سر جھٹکا اور اپنا بیک پیک

اٹھا کے کندھے پہ ڈالا۔

آج اسے نیلو فر کی کتاب کا مسودہ مل گیا تا تو وہ اس آدمی کو ذرا قارغ کر دے گی۔ خواہ تو اوہ کیوں اس کی باتیں سنے؟

☆☆=====☆☆

رات کے سایے شہر پہ طویل ہو رہے تھے۔ نیل کے دریا پہ بنے پل پہ روشنیوں سے جگمگاتی ٹریفک میں کمی تھی۔ ایسے میں اس پوش ملا تے کی اکثر دکانوں کی بتیاں گل ہو چکی تھیں۔ چند دکانیں روشن تھیں۔

نیلو فر کی اینٹیک شاپ کا گلاس ڈور اندھیر نظر آتا تھا۔ باہر گلوڑ ڈکاسائن منہ چڑا رہا تھا۔ اندر شاپ خالی اور تاریک تھی۔

یکدم اندر سے کسی نے گلاس والٹر کے بلاسٹڈز ایک دم گرا دیے۔ اب باہر سے اندر کا دکھائی دیتا منظر تاریک ہو گیا تھا۔

اندر.... اندھیر شاپ میں دو پینسل ٹارچز چلی تھیں۔ ایک جہان کے ہاتھ میں تھی اور وہ اس کو تنقیدی انداز میں چاروں

طرف دیواروں پہ مار رہا تھا۔ اندھیرے میں محض اتنا نظر آتا تھا کہ کہنیوں تک آستین چڑھائے وہ آفس کے دروازے کو لگے

لاک کو دیکھا رہا تھا۔

تالیہ نے اپنی ٹارچ کی روشنی اس دروازے کے لاک پہ پھینکی۔ پھر تنقیدی آنکھوں سے جہان کی نظروں کا تعاقب کیا جو

لاک پہ جمی تھیں۔

”امید ہے تمہیں لاک پک کرنے آتے ہوں گے۔“ جتا کے بولی۔ اس نے نظریں موڑ کے تالیہ کو دیکھا۔

”ہوں۔ کچھ خاص نہیں آتے۔ کوشش کر کے دیکھتا ہوں۔“ طر سے بولا تو تالیہ نے کندھے اچکا کئے۔ وہ آگے بڑھا اور

**Downloaded from Paksociety.com**



لاک پہ ہاتھ پھیرا۔ وہ پیچھے سے کھٹکھاری۔

”اس طرح کے لاک کو پک کرنے کے لئے کریڈٹ کارڈ....“

ٹکک کی آواز آئی تو وہ رکی۔

وہ ناب گھماتے ہوئے مڑا اور مٹھی میں دھایا کریڈٹ کارڈ اسے دکھایا۔

”کیا کھاتم نے؟ کریڈٹ کارڈ؟“ اور جتا کے پتا کارڈ جیب میں ڈالا۔ (وہ منہ میں کچھ بڑبڑا کے رہ گئی)

جہان نے دروازہ کھولا اور بتی جلائی۔

ایک چھوٹا مگر بد نظم سا آفس روشن ہوا۔ وہ اس کو نظر انداز کر کے اندر داخل ہوئی اور تیزی سے ریک کی طرف بڑھی جہاں قائلز رکھی تھیں۔

”خدا کرے اس کا مسودہ نہیں ہو۔“

”نہیں ہوگا۔“ وہ خشک انداز میں کہتا کمپیوٹر ٹیبل کی طرف لپکا۔

”تمہیں کیسے پتہ؟“ وہ تیزی سے ایک ایک قائل ہٹا کے دیکھ رہی تھی۔ وہاں کاغذات کے ڈھیر لگے تھے۔

”کیونکہ اس کے کریڈٹ کارڈ یا دوسرے بلز میں کسی بک شاپ سے کاغذات منگوانے کا ریکارڈ نہیں ہے۔ وہ قلم کاغذ سے

لکھنے والے لڈائٹرز میں سے نہیں ہے۔“

وہ کمپیوٹر اسکرین کو روشن کیے چیئر سنبھال چکا تھا۔ تالیہ نے پلٹ کے تلخی سے اسے دیکھا۔

”مجھے بھی معلوم ہے کہ وہ ایسے ہی اپنا مسودہ نہیں چھوڑ دے گی۔ میں صرف ان ریکس کے پیچھے کوئی خفیہ سیف تلاش کر

رہی ہوں۔ ابہر مگر تم کبھی چور رہے ہو تے تو تمہیں معلوم ہوتا۔“

وہ اب بچوں کے بل نیچے بٹھی ریکس کے پیچھے دیوار پہ ہاتھ پھیر رہی تھی۔ جیسے ٹول کے محسوس کر رہی ہو۔

جہان نے جواباً صرف سر جھٹکا اور روشن مانیٹر کی طرف توجہ مبذول کر دی۔ ساتھ ہی اس نے ایک یو ایس بی ڈیوائس سسٹم

میں داخل کی۔

”تم ہیکر ہو؟“

”ویڈیوز کا پاس ورڈ کھولنا بچوں کا کام ہے۔ اگر میں ہیکر ہوتا تو اس کے ای میل بھی کھول چکا ہوتا اور مجھے یہاں نہ آنا

پڑتا۔“

وہ جود دیوار پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے ٹول کے کچھ محسوس کر رہی تھی دفعتاً رکی۔ اسے ایک آواز آئی تھی۔

Downloaded from PakSociety.com



قدموں کی آواز۔

جیسے ریڑ کے گیلے جوتوں سے چلو تو ان میں پھنسے پانی کے باعث جھس جھس کی آواز آتی ہے.....

قدموں کی آواز.... ہاری ہاری اٹھتے قدم....

”شش....“ وہ تیزی سے اٹھی۔ جہان نے چونک کے گردن موڑی۔ وہ لیوں پہ انگلی رکھے سننے کی کوشش کر رہی تھی۔

آنکھوں میں چو کننا پن تھا۔

”تم نے سنی یہ آواز؟“

خاموشی چھا گئی تو وہ دھیرے سے یولی۔ پھر تیزی سے باہر نکلی۔

دکان اندھیر تھی۔ اس نے بلاسٹڈ کی جھری سے باہر جھانکا۔

سڑک سنسان تھی۔ دکان کا دروازہ بھی اندر سے بند تھا۔ جیسے ابھی جہان نے کیا تھا۔ پھر وہ قدموں کی آواز کس کی تھی؟

وہ الجھن سے پلٹی تو جہان پیچھے کھڑا تھا۔ ایک دم اسے سر پہ کھڑے پا کے اسے ہلکا سا جھٹکا لگا۔ پھر گہری سانس لی۔

”کیا ہوا؟“

”مجھے لگا کوئی ہمارے تعاقب میں آ رہا ہے۔“

”اگر تمہیں کوئی خفیہ سیف نہیں مل رہا تو بہانے نہ بناؤ اور مجھے کام کرنے دو۔ میرے پاس پوری رات نہیں ہے ضائع

کرنے کو۔“ سختی سے کہہ کے وہ مڑا اور اندر چلا گیا۔ تالیہ نے پریشانی سے گردن موڑ کے اندھیر دکان کو دیکھا۔ اسے واقعی آواز

سنائی دی تھی۔

ایک دفعہ پھر وہ ریکس کے پیچھے دیواریں ٹٹولنے لگی۔ وہاں کوئی خفیہ سیف نہ تھا۔ اس نے کاغذات الٹائے پلٹائے۔ وہ

دفتری حساب کتاب کی فائلز تھیں۔ دراز کھولے اور چیزیں کنگھا لیں۔ کچھ بھی قابل ذکر نہیں تھا۔

وہ البتہ ابھی تک کمپیوٹر پہ لگا تھا۔ اس کی پشت تالیہ کی طرف تھی۔ وہ ریک میں کتابیں اور فائلز واپس جوڑ رہی تھی جب اس

نے دوبارہ وہی آواز سنی۔

گیلے ریڑ کے جوتوں سے فرش پہ قدم اٹھانے کی آواز۔

وہ چونکی۔

”کوئی ہے جہان۔“ اس نے چونک کے گردن ادھر ادھر موڑی۔ ”سنو.... کوئی قدم اٹھا رہا ہے....“

کمپیوٹر کی بورڈ پہ چلتی اس کی انگلیاں تھمیں۔ وہ آہستہ سے مڑا۔ غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ پھر کھڑا ہوا اور اسے اشارہ

**Downloaded from Paksociety.com**



کیا۔

”بیٹھو۔“

”باہر کوئی ہے۔ تمہیں آواز نہیں آرہی کیا؟“

”تالیہ.....“ وہ ذرا نرمی سے بولا۔ ”کوئی آواز نہیں ہے۔ ادھر بیٹھو۔“

”مگر مجھے سنائی دے رہی ہے۔“ اس نے پریشانی سے دروازے کو دیکھا۔ ”مجھے چیک کرنے دو۔“ وہ آگے بڑھنے لگی جب وہ آواز بند ہو گئی۔ اس نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ ”میری senses بہت شارپ ہیں۔ مجھے واقعی آواز سنائی دی تھی۔“

”لیکن میں ابھی تمہارے پیچھے آ کے کھڑا ہوا تو میرے قدموں کی آواز تمہیں نہیں آئی تھی۔“

وہ سن رہ گئی۔ بالکل شل۔

”ادھر بیٹھو۔“ اس نے کرسی آگے کی تالیہ کے کندھے ڈھیلے پڑے۔ وہ دھیرے سے کرسی پہ بیٹھی۔ جہان نے ایک دوسری کرسی کھینچی اور اس کے سامنے بیٹھا پھر غور سے اس کے سر اسیم۔ الجھے چہرے کو دیکھا۔

”کوئی آواز نہیں آرہی ہے۔ یہ صرف تمہارے دماغ میں ہے۔“

”میں....“ اس نے لب کھول کے کچھ کہنا چاہا مگر وہی درختوں کے جھنڈ والی کیفیت خود پہ طاری ہونے لگی۔ وہی جیل کا کمرہ... حقان.... سلاخوں والا دروازہ.... اسے لگا اس کے ہاتھ کپکپانے لگے ہیں۔

”میرا خیال ہے تمہیں PTSD ہے۔“ وہ اتنی نرمی سے کہہ رہا تھا کہ چند لمحے وہ اس کو پہچان بھی نہ سکی کہ یہ وہی آدمی تھا۔ ”ٹراما کے بعد کا اسٹریس ڈس آرڈر۔ اسی لئے میں نے تمہیں مشورہ دیا تھا لڑکی کہ بھاگ جاؤ یہاں سے اور خود کو ٹکس کرو۔ ورنہ گورنمنٹ تو تمہیں ہمیشہ استعمال کرتی رہے گی۔ یہ تمہیں کبھی آزاد نہیں کریں گے۔ تم کسی ٹراما سے گزری ہو اور تمہیں یہ حجاب لینے سے پہلے اپنے آپ کو ذہنی طور پہ تندرست کرنا چاہیے تھا۔“

اس نے کپکپاتے ہاتھ سختی سے باہم جکڑ کے غصے سے اسے دیکھا۔

”تمہیں لگتا ہے میرے پاس آپشن ہے؟ تمہیں لگتا ہے میں یہاں خوشی سے کام کر رہی ہوں؟“

”مگر تمہیں اپنے دوستوں کی ای میل پڑھنی چاہیے تھیں۔“

”دوست؟ ایسے ہوتے ہیں دوست؟“ اس کا چہرہ احساس توہین سے سرخ ہوا۔

”میں.... میں قید میں تھی اور وہ تینوں اپنی زندگی گزار رہے تھے۔ مجھے ڈھونڈنے میرے پیچھے کوئی نہیں آیا جہان۔ کہاں

Downloaded from PakSociety.com



تھے میرے دوست جب میں مشکل میں تھی۔ انہوں نے میرے لئے کوشش کیوں نہیں کی۔ وہ اس سیف ہاؤس کو ڈھونڈ سکتے تھے۔ واٹن ڈھونڈ سکتی تھی۔ ایڈم میرے لئے آواز اٹھا سکتا تھا۔ اور وان فاتح... وہ ایک دفعہ میرے لئے کوشش تو کرتے۔ مگر کوئی نہیں آیا۔“

”ہر کہانی کی ایک دوسری سائیڈ بھی ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے ان کی کوئی مجبوری ہو اور....“

”مجبوری‘ مائی فٹ۔“ وہ دبا دبا سا چلائی۔ ”ایک انسان پہ جیل میں کیا بنتی ہے‘ جب اسے اس کے انہوں سے دور کر دیا جائے اسے مارا جائے اسے روز دہنی مار چرے سے گزارا جائے‘ گفتیش کے نام پہ.... تم اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔“ وہ جو کرسی پہ آگے کو جھکے بیٹھا تھا‘ چند لمحے خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ پھر سر کو اثبات میں خم دیا۔

”واقعی۔ میں اندازہ کیسے کر سکتا ہوں۔“

تالیہ نے نفی میں سر ہلایا۔ اس کی آنکھوں کے گوشے بھینکنے لگے۔

”کوئی نہیں آیا میرے لئے۔ کوئی نہیں آیا تالیہ کو بچانے۔ اگر وہ لوگ اس حال میں ہوتے تو تالیہ ان کے لئے آتی۔ تالیہ ان کے لئے کئی دفعہ آ بھی چکی ہے۔ میں ان سب کو ان کے مسئلوں سے نکال کے لاتی ہوں اور جب میری باری آتی تو میں اکیلی تھی۔ میں دوستوں کے لئے کس حد تک جاتی ہوں اور وہ ایک حد بھی نہ پھلانگ سکے۔ کیسے دوست ہیں میرے۔“ وہ نفی میں سر ہلاتی صدے سے کہہ رہی تھی۔ ”میں ان میں سے کسی کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی اب۔“

”ہو سکتا ہے انہوں نے تمہارے لئے کوشش کی ہو۔“

”نہیں کی۔ کسی نے نہیں کی۔ اور جانتے ہو کون کوشش کرتا میرے لئے؟“ وہ گیلی آنکھوں سے اسے دیکھ کے بولی۔

”میرے باپا۔ مراد اجہ۔ صرف وہ شخص کوشش کرتا میرے لئے۔ غلط یا صحیح وہ کسی بھی طرح سے مجھ اس جہنم سے نکالنے کی کوشش کرتا۔“

وہ نیم روشن کمر میں دو کرسیوں پہ آ منے سامنے بیٹھے تھے اور وہ غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”تو وہ کیوں نہیں آئے؟“

تالیہ چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ ”وہ اس دنیا میں نہیں ہیں۔“

”اوہ۔ آئی ایم سوری۔“

تالیہ نے ہولے سے سر جھٹکا۔ تعزیت کرنے والے کو وہ اپنے جملے کا مطلب نہیں سمجھا سکتی تھی۔

”میرے دوستوں کے نزدیک میرا باپ ایک برا انسان ہے۔ وہ بھی ٹھیک ہیں۔ میرے باپ نے اپنے لوگوں سے

**Downloaded from Paksociety.com**



غدری کی اپنے مفاد کے لئے اپنے دشمن سے جا ملا۔ اگر میں ایڈم کو کہوں کہ مجھے اپنے باپا سے محبت ہے تو وہ مجھ پہ حیران ہو گا۔ شاید وہ مجھے ناپسند کرنے لگے۔“

”تمہارا باپ کے غدار ہونے میں تمہارا قصور نہیں ہے، تالیہ۔ ہمارے باپ ہمیں ڈیٹائن نہیں کرتے۔ ہمارے اپنے اعمال کرتے ہیں۔“ وہ آہستہ مگر مضبوط لہجے میں بولا۔ تالیہ نے دکھ بھری آنکھوں سے اسے دیکھا۔

”تم نہیں سمجھ سکتے۔ مجھے اپنے باپا سے بہت محبت ہے۔ مگر میں نے ان کو چھوڑ دیا تھا۔ پھر بھی اگر ان کو معلوم ہوتا کہ میں قید ہوں تو وہ میرے لیے آتے۔“

وہ ہلکا سا مسکرایا۔

”اٹس اوکے۔ تمہیں ان سے محبت ہونی بھی چاہیے۔ ہمارے والدین کو اللہ نے ہماری پسند اور مرضی سے نہیں بنایا ہوتا۔ وہ ہمیں جن خوبیوں خامیوں کے ساتھ ملتے ہیں، ہمیں ان کو اسی طرح قبول کرنا ہوتا ہے۔ ہمارے دنیا میں آنے سے پہلے بھی ان کی ایک زندگی تھی جس کے بارے میں ہم کبھی نہیں جان سکیں گے اور ہماری بھی ایک زندگی ہے جس کو وہ کبھی نہیں جان سکیں گے۔ ہم دونوں کو ایک دوسرے کو جیسا وہ ہے اسی کی بنیاد پر اس سے محبت کرنی ہوتی ہے۔“

”لیکن دوست ایک دوسرے سے ایسی غیر مشروط محبت نہیں کر سکتے۔ شاید اسی لئے میرے دوست میرے لیے نہیں آئے کیونکہ وہ مجھ جیسی کون دوسرے کے ساتھ اپنے نام کو داغدار نہیں کرنا چاہتے تھے۔“

وہ تکلیف سے کہہ رہی تھی۔ اس کی سیاہ آنکھوں کی نمی اس کے کرب کو ظاہر کرتی تھی۔

وہ چند لمحے خاموشی سے اس کے چہرے کا مطالعہ کرتا رہا، پھر تھوڑی سی تلخی رکھی اور اسی طرح آگے کو جھکے پیٹھے کہنے لگا۔

”احمد نظام کہتے ہیں تم خود کو بنگارا یا ملا یو کہتی ہو۔ ملایا کا پھول؟“

”میں ہوں بھی!“ کیلی سلس ناک سکواڑ کے اندر کھینچی اور ٹوٹے پھوٹے فخر سے گردن کڑانی چاہی مگر آنکھوں کی نمی..... وہ کچھ نہیں کرنے دے رہی تھی۔

”نہیں، تالیہ۔“ وہ سوچتے ہوئے اسے دیکھ کے کہہ رہا تھا۔ ”تم درخت ہو۔ اور میں نے ایک دفعہ ایک نظم پڑھی تھی جس نے مجھے یہ بتایا تھا کہ اگر انسان درخت جیسا ہے تو اس کے کچھ دوست چوں جیسے ہوتے ہیں۔ بظاہر خوشنما لگنے والے یہ پتے اپنی خود اک اسی درخت سے چوس رہے ہوتے ہیں اور جیسے ہی سخت موسم آتا ہے وہ سب سے پہلے جھڑ جاتے ہیں۔“ وہ مدہم آواز سے کہہ رہا تھا اور وہ نم آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”کچھ دوست شاخوں کی طرح ہوتے ہیں۔ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں گے اور تم سے.... یعنی درخت

Downloaded from PakSociety.com



سے.... ساری توانائی اور خوراک لے کر جب یہ پھیلنے لگتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ یہ درخت کا قد نور شان بڑھا رہا ہے ہیں حالانکہ یہ صرف خود کو بڑھا رہا ہے ہوتے ہیں۔ یہ موسم کی سختی برداشت کر لیتے ہیں مگر کوئی دوسرا آ کے ان پہ دباؤ ڈالے تو اس کا وزن نہیں سہہ سکتے اور ٹوٹ کے گر جاتے ہیں۔ ایسی کمزور شاخیں بھی ان خوشنما چوں کی طرح بے کار ہوتی ہیں۔ تمہیں ان دونوں کی ضرورت نہیں ہے۔“

”نور تیسری قسم کے دوست؟“

”وہ جڑوں کی طرح ہوتے ہیں۔ وہ تمہارے قدم مضبوط کرتے ہیں۔ موسم کی تبدیلی یا لوگوں کی باتیں، کوئی بھی ان پہ اثر نہیں کرتی۔ وہ تمہیں تمہاری زمین سے جوڑے رکھتے ہیں۔ ان کو کوئی نمود و نمائش یا تعریف نہیں چاہیے ہوتی۔ وہ تم سے کوئی فائدہ نہیں لیتے۔ وہ بس تمہیں گرنے سے بچانے کے لئے وہاں موجود ہوتے ہیں۔ تمہیں، تالیہ، یہ ڈیسا بڑ کرنا ہے کہ تمہارے کون سے دوست پتے ہیں، کون شاخ اور کون تمہاری جڑ ہے۔“

”لوہر میں یہ فیصلہ کیسے کروں؟“

”تم فی الحال PTSD سے گزر رہی ہو۔ ڈپریشن میں ہو۔ اور....“

”لوہر اگر میں اچھی مسلمان ہوتی تو میں اس کیفیت سے دعاؤں اور عبادتوں سے نکل آتی۔ ہے نا۔“ اس نے تلخی اور خود ترمی سے کہا تو وہ ہلکا سا مسکرایا۔

”ڈپریشن کا تعلق آپ کے اچھے مسلمان ہونے یا نہ ہونے سے نہیں ہے۔ یہ ایک بیماری ہے۔ مذہبی لوگ تمہیں بتائیں گے کہ یہ خدا سے دوری کا نتیجہ ہے۔ اور یہ نماز قرآن سے ٹھیک ہو جائے گا مگر ایسا نہیں ہوتا۔ دعا ہر چیز کے لئے ضروری ہے اس میں بھی کرنی چاہیے مگر جیسے بخار سے کینسر تک ہر جسمانی بیماری کے لئے ہم اسکالرز کی بجائے ڈاکٹرز کے پاس جاتے ہیں ویسے ہی ڈپریشن یا PTSD کا علاج ضروری ہوتا ہے۔ اللہ کے ذکر سے دل کو سکون ملتا ہے مگر یہ دماغ کی بیماری ہے۔ تمہیں تھیراپی کی ضرورت ہے۔“

”تم چاہتے ہو میں تھیراپی کرواؤں؟ یہاں؟ اس ملک میں؟“ اس نے آنکھیں رگڑیں اور خفگی سے بولی۔

وہ گھما پھرا کے بات و ہیں لے آیا تھا کہ سائیکا ٹرسٹ سے چیک کرواؤ۔

”ہاں۔ تمہیں ایک Shrink کی ضرورت ہے جو تمہیں فکس کر سکے مگر تمہارے جیسے ذہن والے انسان کا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی عام شخص کی بات نہیں سنتا۔ تمہیں کسی ایسے Shrink کی ضرورت ہے جو جانتا ہو کہ تمہارے جیسی زندگی گزارنا کیسا ہوتا ہے۔ مختلف نام.... مختلف شناختیں.... ہر قدم پہ جھوٹ.... اپنی جان بچانے کے لئے بھاگتے رہتا.... اور ہر منٹ پکڑے

Downloaded from PakSociety.com



جانے کے خوف سے لڑنا.... ایک اندھے راستے پہ مسلسل چلتے رہنا....“ اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں تو تالیہ نے گیلی ٹپکیں رگڑ کے غور سے اسے دیکھا۔

”اور تم جانتے ہو کہ یہ سب کیسا محسوس ہوتا ہے؟“

جہان نے آنکھیں کھولیں اور دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔ ”تم مجھے اپنا Shrink بنا سکتی ہو۔ تمہیں جو بھی کہتا ہے مجھے کہہ دیا کرو۔ آخر میں‘ میں تمہیں تمہارے دوستوں کے بارے میں کسی فیصلے پہ پہنچنے میں مدد دوں گا۔ میں پہلے ہی تمہارے بارے میں کافی کچھ جانتا ہوں اور قید کے بعد کا PTSD بھی سمجھ سکتا ہوں۔ تمہیں اپنے ملک اور دوستوں سے دور ایک Outlet چاہیے جہاں تم اندر ابلی ساری فرسٹریشن کو نکال سکو۔ ٹرائی می۔ کیونکہ مجھے انداز رکھتے آتے ہیں۔“

وہ نرمی سے کہہ رہا تھا۔ وہ اس دوران پہلی دفعہ مسکرائی اور نرم آنکھوں سے اسے دیکھا۔

”تمہاری کوئی فیملی ہے جہان؟ دوست؟ گھر والے ہیں؟“ اس نے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

جواب میں اس نے گہری سانس لی۔ ”ہیں نہیں“ تھے۔ مجھے بچپن میں میرے ماں باپ نے abandon کر دیا تھا۔ میں یتیم خانے میں پلا بڑھا۔ دوست نہیں بنائے مگر کالج میں ایک لڑکی پسند تھی مجھے۔ ایک حادثے میں اس کی ڈیوٹھ ہو گئی۔ چونکہ میں ڈرائیو کر رہا تھا تو خود کو ذمہ دار سمجھنے لگا۔ اس دکھ سے نکلنے میں مجھے عرصہ لگا اس لئے نہ شادی کی نہ دوبارہ دوست بنائے۔“

وہ سادگی سے بتا رہا تھا۔ تالیہ چپ چاپ اسے دیکھنے لگی۔

”تم جھوٹ بول رہے ہو۔“

”ظاہر ہے میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ میں تمہارا شریک ہوں‘ تم میری شریک بننے کی کوشش نہ کرو۔ سوچنا بھی مت کہ میں تمہیں اپنے بارے میں کچھ بتاؤں گا۔“

رکھائی سے کہہ کے اٹھ گیا تو اس نے ٹھگی سے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔

”میں خود ہی جان لوں گی۔“

”تمہارے اس میلوڈرامے میں بہت وقت ضائع ہو گیا ہے۔ چلو اٹھو اور اب کام کرو۔ اٹھو یہ میری جگہ ہے۔“

دوبارہ زور سے کہا تو وہ جلدی سے اٹھی۔ جہان نے سنجیدگی سے گھڑی دیکھتے ہوئے کرسی سنبھالی اور کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

وہ آنکھیں رگڑ کے جلدی جلدی ریک کے کاغذات دیکھنے لگی۔

Downloaded from PakSociety.com



”اس کے کمپیوٹر پہ کچھ نہیں ہے۔ ای میل پاس ورڈز تک نہیں ہیں۔ نہ ہی کوئی ورڈ فائل ہے۔ مگر....“ وہ اسکرین کو دیکھ کے کہہ رہا تھا۔ ”براؤزر ہسٹری میں گوگل ڈرائیو کا لنک ہار ہار دکھائی دے رہا ہے۔ نیلو فر کافی اسارٹ ہے۔ وہ گوگل ڈرائیو پہ کتاب لکھ رہی ہے اور اسی طرح پبلشر سے شیئر کرتی ہوگی تاکہ ڈیٹا کسی بھی کمپیوٹر یا لیپ ٹاپ کے بجائے صرف گوگل پہ محفوظ رہے اور اس سال سے تو گوگل کی سکیورٹی اتنی ٹائٹ ہو چکی ہے کہ ڈرائیو کو ہیک کرنا بہت مشکل ہے۔ یہاں آنا بے کار ہی رہا۔“ وہ کمپیوٹر آف کرتے ہوئے تلخی سے کہہ رہا تھا۔

”بے کار نہیں رہا۔ یہ دیکھو۔“

وہ چونک کے مڑا تو دیکھا، تالیہ ایک میگزین کھولے کھڑی تھی۔ وہ اٹھا اور اس کے ساتھ آکھڑا ہوا۔ پھر اس رسالے کو دیکھا۔ وہ ملا بیسیاء کا ایک سیاسی میگزین تھا اور اس کے سرورق پہ داتو سری عبد الرحمن کی تصویر تھی۔ تصویر پہ سرخ دین سے بے تحاشا کانٹے لگا کے چہرہ مسخ کیا گیا تھا۔ تالیہ دھیرے دھیرے صفحے پلٹا رہی تھی۔ ہر وہ صفحہ جہاں عبد الرحمن اس کی پہلی بیوی اور صوفیہ کی تصویر ہوتی وہاں سرخ کانٹے لگے ہوتے۔ اتنی دفعہ رگڑ رگڑ کے کھینچی سرخ لیکروں نے کئی جگہ سے صفحے کو پھاڑ بھی دیا تھا۔

”اس میں کیا خاص بات ہے۔ وہ اس خاندان کی نفرت میں ہی کتاب لکھ رہی ہے، سب کو معلوم ہے۔“

تالیہ نے میگزین بند کیا اور سنجیدہ چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

”نہیں۔ یہ صرف نفرت نہیں ہے۔ کوئی صرف نفرت میں یہ نہیں کرتا۔ یہ غصہ، نفرت، انتقام سب کچھ ہے اور جو عورت اس طرح دو سال سے داتو سری کے خلاف روز ایک گھنٹے لگا کے کتاب لکھتی ہے اس عورت کو ہم خاموش نہیں کرا سکتے۔ پیسہ دے کر یا ڈرا دھمکا کے اس کے ذہن سے اس کتاب کو نہیں نکال سکتے۔ ہم نیلو فر بخت کو نہیں روک سکتے۔“

”تو ہمیں اس کے پبلشر کو روکنا ہوگا۔“ وہ سمجھ رہا تھا۔

”ہاں۔ اب ہمیں نیلو فر کے پبلشر کو استعمال کرنا ہوگا۔“

”اور اس سب کے لئے ہمیں پہلے یہ معلوم کرنا ہے کہ اس کا پبلشر ہے کون۔“

وہ جتا کے کہہ رہا تھا۔ خاموش شیم روشن آفس کی دیواریں ان دونوں کو دیکھ ہی تھیں جو داپس Square دن پہ آکھڑے تھے، جہاں سے شروع ہوئے تھے۔

نیلو فر بخت کا پبلشر کون تھا جو ہر ممکنہ ہرجانے کے خطرے کو نظر انداز کیے اس کی کتاب چھاپنے کو تیار تھا؟ جو سب کچھ داؤ پہ لگا کے عبد الرحمن کے خاندان کو تباہ کرنے کے لئے نیلو فر کا ہمراہ کا رہا؟

Downloaded from PakSociety.com



ایسا شخص کون ہو سکتا تھا؟

اس سوال کا جواب دونوں میں سے کسی کے پاس نہیں تھا۔ آفس کی دیواریں بھی اپنے راز چھپائے خاموشی سے کھڑی تھیں۔

☆☆=====☆☆

نیل کا پانی اس صبح دھوپ سے چمک چمک رہا تھا۔ دریا کے وسط میں ساحرہ منروا اپنے پورے جسم کے ساتھ تیرتی دکھائی دے رہی تھی۔ جہاز پہ سوار مہمان کمروں میں بیٹھے کھڑکیوں سے پانی کو دیکھتے سفر سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ایسے میں اگر کسی کو وسط سفر میں سوار ہونا ہوتا تو وہ چھوٹی سی کشتی میں آتا اور جہاز میں سوار ہو جاتا مگر یہ سہولت بہت مشکل سے میسر آتی تھی۔ البتہ یہ جہان کو یہ آسانی سے حاصل تھی کیونکہ اس کا کہنا تھا کہ اسے روز دو پہر میں شہر واپس جانا ہو گا دو تین گھنٹے کے لئے۔

”کیوں؟ تمہارا ہر روز ایسا کیا کام ہوتا ہے شہر میں؟“

وہ دونوں تالیہ کے کمرے میں آئے سانسے کھڑے تھے اور وہ مشکوک انداز میں پوچھ رہی تھی۔ وہ ابھی آیا تھا جبکہ وہ صبح سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔

”مکینک ہوں۔ پیسے بھی تو کمانے ہوتے ہیں۔ روز کے دو تین گھنٹے کام ضروری ہوتا ہے۔ باقی سارا دن تو تمہیں دے رہا ہوں نا۔“ وہ آج بھی اپنی پیکیپ سر پہ جھانپ رہی تھی کہیں تک آستین فولڈ کیے جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سانسے کھڑا عجیبہ نظر آ رہا تھا۔ رات والے جہان سے بالکل مختلف۔

”ہاں بالکل تم مکینک ہو۔“ وہ طنز سے مسکرا کے بولی۔

تالیہ کا منروا کروڑوں میں موجود یہ کمرہ کسی فائیو اسٹار ہوٹل کے کمرے جیسا تھا۔ ایک طرف ڈبل بیڈ بچھا تھا۔ دوسری طرف اینچ ہاتھ اور گول کھڑکی کے آگے آئے سانسے کرسیاں میز رکھی تھیں۔ کھڑکی سے دور تک بہتا دریا دکھائی دیتا تھا۔ ایک دروازہ باہر گیلری میں بھی کھلتا تھا جہاں کھڑے ہو کے نیچے بہتا دریا دیکھا جاسکتا تھا۔

”اب تم آہی گئے ہو تو پلان دہرا لیں؟“ وہ کان میں ننھا اتیرتیں جھانپتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”مجھے ویسے تمہارے پلان کی کامیابی کا اتنا یقین نہیں ہے۔“ وہ ناخوش لگ رہا تھا۔ جواباً تالیہ نے سیاہ کوٹ بیڈ سے اٹھاتے ہوئے شانے اچکائے۔

”تالیہ کے پاس ہمیشہ اگلا پلان بھی ہوتا ہے۔“ کوٹ پہن کے اس نے ایک والٹ اٹھایا اور اندر موجود کارڈ سانسے لہرایا

**Downloaded from Paksociety.com**



”میں اس ہوٹل کی ایک جوئیر مینجر ہوں اور میں اس وقت نیلوفر کے کمرے میں روم سروس کے حوالے سے جاؤں گی۔ وہ کمرے میں نہیں ہوگی بلکہ ہوٹل کی چھت پہ....“

”اوٹیل....“ اس نے بھیج کی توجہ دے دیتے ہوئے رکی۔ پھر لہجے کو نرم بنا کے بولی۔

”وہ اوٹیل کی چھت پہ کیفے میں ہوگی۔ اس وقت اس کا روم خالی ہوگا۔ میں کمرے کی انسپیکشن کروں گی کیونکہ گیس لیکج کے خطرے کی اطلاع ہمیں ملی ہے۔ اس بہانے میں اس کا کمرہ چیک کر لوں گی۔“

”لورا اگر وہ آگئی؟“

”اسی لئے تو یہ کارڈ بنوایا ہے۔ میں اوٹیل کی ملازمہ ہوں۔ جوئیر مینجر مسلمی ابراہیم۔“

گردن کڑا کے مسکرائی۔ سیاہ اسکرٹ اور سفید بلاؤز پہ سیاہ کوٹ پہنے وہ سیاہ باب کٹ بالوں کو چہرے کے دونوں اطراف میں گرائے، سبز آنکھوں کے ساتھ مطمئن نظر آ رہی تھی۔ کل ہی اس نے ہال ماتھے سے کٹوائے تھے۔ جہان نے اسی ناخوشی سے اسے دیکھا۔

”اگر اس نے تمہیں پہچان لیا؟“

”لول تو میں اتنی مشہور نہیں ہوں۔ وان فاتح کی کیمپین مینجر تھی اور دو تین دفعہ ہی خبروں کی زینت بنی ہوں۔ دوسرا میرا حلیہ اور پھر یہ bangs (ماتھے کی طرف اشارہ کیا) بہت مختلف ہے۔ وہ نہ مجھے جانتی ہوگی نہ مجھے پہچانے گی۔ ریلیکس۔“

مسکرا کے اس کو تسلی دی۔ جہان نے صرف سر کو خم دیا اور کان میں لگے آگے کو دہرایا۔

”میں اوپر کیفے میں ہوں گا۔ وہ آئی تو تمہیں اطلاع کروں گا۔ لوری سی سی ٹی وی کو میں نے پہلے ہی بلاک کر دیا ہے۔“ پھر کلائی کی گھڑی دیکھی۔ ”تمہارے پاس اس کا کمرہ چھاننے کے لئے زیادہ سے زیادہ دس منٹ ہوں گے۔“

”میں نو منٹ میں فارغ ہو جاؤں گی۔“ وہ مسکرا کے آگے بڑھ گئی۔ وہ قدرے فکر مند نظروں سے اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔

نیلوفر کا کمرہ تیسرے فلور پہ تھا۔ کارپڈور میں خاموشی تھی اور کمرے کے اندر تالیہ دستانے پہنے تیزی سے سامان کتنکھال رہی تھی۔ کان میں سے مسلسل آواز آ رہی تھی۔

”وہ کیفے سے اٹھ گئی ہے۔ جلدی کام ختم کرو۔“ وہ جھٹک رہا تھا۔

”ڈونٹ وری۔ کچھ نہیں ہوگا۔“ وہ اس کا سفری سوٹ کیس کھول کے احتیاط سے چیک کر رہی تھی۔

”وہ لفٹ کی طرف جا رہی ہے۔ نکلو وہاں سے۔“

”صرف ایک الماری رہ گئی ہے۔“ وہ دوڑ کے الماری تک گئی اور اسے کھولا۔ پھر چیزیں الٹا پلٹا کے دیکھنے لگی۔

Downloaded from PakSociety.com



”وہ نیچے آرہی ہے۔ کسی بھی وقت تمہارے سر پہ ہوگی۔“

”میرے کان میں مت چیخو۔ میں یہ پہلی دفعہ نہیں کر رہی۔“ وہ تیز تیز کچھ کاغذات کی موہاگل سے تصاویر بنارہی تھی۔ پھر وہ کمرہ بند کر کے باہر نکلی، کوٹ ٹھیک کیا۔ اور کارڈز میں آگے بڑھی ہی تھی کہ سامنے سے نیلو فر آتی دکھائی دی۔ تالیہ بظاہر سر جھکائے مسیحاں تپ کرتی چلتی گئی۔ نیلو فر کے پیچھے کارڈز کے سرے پہ کیپ والا آدمی، جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا فکر مندی سے ادھر ہی دیکھ رہا تھا مگر صدمہ شکر کہ نیلو فر نے تالیہ کو اپنے کمرے سے نکلنے نہیں دیکھا تھا۔ وہ تالیہ کو کراس کر کے اپنے دروازے تک چلی گئی۔

پھر ایک دم کی اور مڑی۔

تالیہ کے کان اس کے قدموں کی آہٹ پہ لگے تھے۔ اس نے موہاگل جیب میں ڈالا اور اپنا مینیجر والا کارڈ بروقت نکالنے کے لئے جیب پہ ہاتھ رکھا۔

”تالیہ؟ یہ تم ہونا؟ تالیہ مراد؟“

نیلو فر کی چمکتی آواز اسے سن کر گئی۔ اس کا ہاتھ کوٹ کی جیب پہ ٹھہر گیا۔

نیلو فر اس کی پشت پہ تھی۔ ہیل سے ٹھٹھک چلتی اس کے پیچھے آئی۔ تالیہ کو مڑنا بھی نہیں پڑا اور نیلو فر بخت خوشگوار حیرت بھرا چہرہ لئے اس کے سامنے آئی۔

”تم تالیہ ہونا؟ وان فاتح کی مینیجر؟ اور پہلے اس کی ہاڈی دو من بھی تھیں۔“

تالیہ نے آنکھوں کی پتلیاں سکڑ کے اسے دیکھ کے پچانے کی کوشش کی پھر چہرے پہ ایک دم حیرت لے آئی۔

”ارے آپ نیلو فر ہیں نا؟ نیلو فر بخت۔“

”آف کورس۔“ نیلو فر آگے بڑھی اور اس کو گلے لگایا۔ اس سے ملتے ہوئے تالیہ نے دور کھڑے جہان کو دیکھ کے آنکھیں

بے یقینی سے پھیلانے ہوئیں کو بے آواز ”I had no idea“ کے الفاظ میں گھمایا۔ اس نے ملا متی نظروں سے تالیہ کو دیکھتے سر جھٹکا۔

تالیہ گلے مل کے الگ ہوئی اور اگلے ہی لمحے مسکرا کے بولی۔ ”مادام نیلو فر... اتنا اچھا لگد ہا ہے آپ سے مل کے۔ میں تو

آپ کی بہت بڑی فین ہوں۔“

”اور مجھے بھی تم بہت پسند ہو۔ یہ بالوں کو کیا کیا؟ خیر اچھے لگد ہے ہیں اس طرح بھی۔ آؤ میرے ساتھ کافی پیو۔“

چلتے ہیں۔ یا میرے روم میں؟“

Downloaded from **Paksociety.com**



”آپ کا روٹھیک رہے گا۔“

نیلو فریڈی محبت سے اس کا ہاتھ پکڑے اسے کمرے کی طرف لے جانے لگی۔ تالیہ نے ایک بے بس نظر کوٹنے پہ ڈالی۔ وہ اب وہاں نہیں تھا البتہ اس کے کان میں اس کی غصے بھری آواز گونجی تھی۔

”اگلی دفعہ جب میں کسی کام سے روکوں تو سن لیتا۔“

☆☆=====☆☆

نیلو فر کے کمرے کی کوئی بھی شے اپنی جگہ سے ہل ہوئی نہیں تھی۔ نفاست سے سجے بیڈ کے سامنے ایک سٹنگ ایریا تھا جس میں تالیہ کے کمرے کی طرح گول کمڑ کی بنی تھی۔ وہ دونوں وہاں رکھی کرسیوں پہ آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔ تالیہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی غور سے سامنے براجمان نیلو فر کو دیکھ رہی تھی۔

اس نے اپنی عمر کا لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے سفید منی اسکرٹ کے اوپر سرخ کوٹ پہن رکھا تھا۔ ہال کھلے تھے اور لبوں پہ سرخ لپ اسٹک تھی۔ ہیروں میں سرخ ہنسلو۔ اب وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے سر جھکائے مہیو کارڈ پڑھ رہی تھی۔

”تم کیا لوگی؟ یہاں کی کچی چینیوا چھی ہے۔“

تالیہ بدقت مسکرائی۔ ”نہیں۔ میں موکالوں گی۔“

”چلو میں بھی وہی لوں گی۔“

اس نے مسکرا کے مہیو رکھا اور اٹھ کے فون پہ آرڈر دیا ”پھر واپس فیک لگا کے ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔“

”تو تم یہاں قاہرہ میں کیا کر رہی ہو؟“ نیلو فر دلچسپی سے اس کو دیکھ کے پوچھ رہی تھی۔

”میں اہرام دیکھنے آئی تھی مگر طبیعت اتنی کمزور تھی آج کل کہ بس سستی سے اس کروڑ پہ سوار ہو گئی۔ یہ خود ہی چلتی جائے مجھے

سارا شہر دکھائی جائے اور مجھے کچھ نہ کرنا پڑے۔“ تالیہ بظاہر کاہلی اور بے زاری سے بولی۔ محتاط نظریں نیلو فر کے چہرے پہ جمی تھیں۔

”Aww“ نیلو فر نے پیار بھری فکر مندی سے لب گول کیے۔ ”مگر کیوں؟ ہنی؟“

”کیوں؟.... پتہ نہیں۔ شاید میں اکیلی ہوں اور...“ مسکراہٹ لبوں پہ روکی۔ ”یہاں کوئی ہے نہیں جو مجھے شہر دکھائے یا

گھمائے پھرائے۔ مصر کے لوگ ویسے بھی بہت سنجوس اور غریب واقع ہوئے ہیں۔“

”غریب“ تنک تو ٹھیک ہے مگر سنجوس کس کو کہا؟ کل دو دفعہ کیب کا کرایہ میں نے دیا تھا۔“

برہم آواز کان میں گونجی مگر وہ نیلو فر کو دیکھتی اسی سادگی سے کہتی گئی۔

Downloaded from PakSociety.com



”اور تو اور یہاں کے لوگ عجیب بد لحاظ بھی ہیں۔ سیدھی زبان میں کوئی بات ہی نہیں کرتے۔“

”ہے نا تالیہ۔ مجھے بھی یہاں کے لوگ بہت ڈرائی سے لگتے ہیں۔ ہمارے ملاپیشیاء والی بات نہیں ہے نا۔ آئی لو کے

ایل۔ (مجھے کے ایل سے عشق ہے۔)“ اس نے بے اختیار کہا تو تالیہ نے مسکرا کے سر ہلایا۔

”وہی تو نیلو فر۔ یہاں کے لوگ بات بات پہ پیسے مانگتے ہیں۔ پیسے نہ دو تو ناراض ہو کے آپ کو کیلا چھوڑ کے چلے جاتے

ہیں۔“

”کتنے پیسے دیے ہیں اب تک تم نے مجھے؟ زیرو۔“ وہ اس کے کان میں مزید برہم ہوا۔

”تم جی ہونا۔ مجھے سیاحوں کو یہ لوگ ایسے ہی لوثتے ہیں۔“ نیلو فر ہمدردی سے کہہ رہی تھی۔

”کل تو مجھے ایک جعلی سائیکاٹرسٹ مل گیا۔“ وہ رازدارانہ انداز میں بتانے لگی۔ ”میں کسی بات پہ پھٹ پڑی تو مجھے مشورہ

دینے لگ گیا کہ تمہیں تھیراپی کی ضرورت ہے حالانکہ مجھ سے زیادہ نفسیاتی مسائل کا شکار تو وہ خود لگ رہا تھا۔“

”تم اپنی نئی بیسٹ فرینڈ پہ فوکس کرو... ذاتیات پہ نہ ترو۔“ وہ اب کے غرایا تو تالیہ کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھرنے لگی جسے

اس نے بدقت روکا۔ ادھر نیلو فر کہہ رہی تھی۔

”ابوہ تالیہ.... یہ سارے مرد ایک جیسے ہوتے ہیں۔“

ویٹرناک کر کے اندر آیا اور کافی رکھی مگر نیلو فر آہ بھر کے اسی طرح بولتی جا رہی تھی۔

”یہ عورت کو خود مختار نہیں دیکھ سکتے۔ اور مجھے لگتا ہے تم ڈپریشن کا شکار ہو۔ (تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی) میں بھی ایسی

ہی ہو گئی تھی جب عبدالرحمن نے الیکشن جیتا اور میں فرسٹ لیڈی بن گئی۔“ اس نے کپا اٹھایا اور ایک گھونٹ بھرا پھر اسی طرح

بتانے لگی۔

”مگر دیکھو اس نے میرے ساتھ کیا کیا؟ اس کی ساری کیمپین میں نے چلائی۔ اپنے شوہر کو ہر مقام پہ سپورٹ کیا۔ اس

کے لئے میڈیا والوں کی باتیں سنیں۔ اور جیسے ہی وہ الیکشن جیتا اس نے مجھے کسی فرنیچر کی طرح گھر کے کونے میں ڈال دیا۔ تم

اندازہ بھی نہیں کر سکتیں کہ یہ کیا فیلنگ ہوتی ہے۔“

تالیہ نے اپنا کپا اٹھایا اور لبوں سے لگاتے ہوئے خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔

”یہ سیاستدان ہی صلہ دیتے ہیں ہم جیسی عورتوں کو۔ ہم ان کے ساتھ کھڑی ہوتی ہیں تالیہ.... ان کے لئے راتوں کو جاگ

کے کام کرتی ہیں۔ اور یہ.... یہ آخر میں اپنے ساتھ پوڈیم پہ اپنی پہلی بیوی اور اس کی بیٹی کو کھڑا کر دیتے ہیں۔ دوسری بیوی کبھی

ان کی اصل فیملی نہیں بن سکتی۔ پہلی کے بچے.... پہلی کی میراث۔ بس یہی اسی کو مانتے ہیں۔“

Downloaded from PakSociety.com



کافی کا تلخ، گرم گھونٹ اس نے اندر اتار تو وہ اس کا حلق تک جلا گیا۔ مگر تالیہ نے ذرا توقف سے دوسرا گھونٹ بھی بھر لیا۔

اندر تو سب پہلے سے جلا ہوا تھا۔ مزید کتنا جلے گا؟

”مگر میں ان عورتوں میں سے نہیں ہوں تالیہ جو چپ کر کے بیٹھ جائیں۔ عبدالرحمن کو میں نے اس لئے چھوڑا کیونکہ وہ ملک کے ساتھ دھوکا کر رہا تھا۔ یہ آف شوکنیز، یہ کرپشن، یہ سب معلوم تھا مجھے اور میں اسے روکتی تھی مگر نہیں۔ وہ نہیں سنتا تھا۔“ وہ بے بسی بھرے افسوس سے کہہ رہی تھی۔

”تو آپ دونوں کی علیحدگی اس لئے ہوئی کیونکہ وہ اپنے عوام کو دھوکہ دے رہے تھے؟“

”دیکھو یہ صرف ایک وجہ نہیں تھی۔ بہت وجوہات تھیں مگر کچھ تم کتاب کے لئے بھی رہنے دو نا۔“ مسکرا کے چالی سے گھونٹ بھرا تو تالیہ بدقت مسکرائی۔

”تو آپ کی کتاب واقعی آرہی ہے؟“

”آف کورس۔ اور میں نے اس میں تمہارا نام بھی لکھا ہے۔ ایک منٹ۔“

نیلو فر نے کپ رکھا اور کلچ سے موبائل نکالا۔ کچھ دیر اسکرین پہ انگلی پھیرتی رہی پھر آگے کو جھک کے اسکرین اسے اس طرح دکھائی کہ موبائل ہاتھ میں پکڑے رکھا۔

تالیہ نے چہرہ جھکا کے دیکھا۔ صفحہ نمبر نظر آیا۔ گونگل ڈرائیو۔ باب کا نام۔ اور ایک پیرا گراف جو سامنے تھا اس میں تالیہ کا نام۔ اس نے تیزی سے نظریں دوڑاتے صفحے کو پڑھنا چاہا مگر نیلو فر شرارت سے مسکرا کے فون واپس موڑ گئی۔

”اب کیا لکھا ہے میں نے یہ تو تم کتاب میں ہی پڑھ سکو گی۔“

”ابوہ آپ امدادہ بھی نہیں کر سکتیں کہ آپ کی کتاب پڑھنے کے لئے میں کتنی ایکسائٹڈ ہوں۔“ وہ مسکرا کے بولی۔

(میں بھی!) وہ اس کی سماعتوں میں ابھی تک بول رہا تھا۔

”ابوہ میری جان۔ تمہیں تو میں آٹو گراف کا پی بھیجوں گی۔ جس طرح تم نے صوفیہ رحمن کو اس میوزیم میں وان فاتح کے سامنے لاکے ڈی بیٹ کر دئی تھی نا، تم نے میرا دل جیت لیا۔“

تالیہ نے مسکرا کے کپ فضا میں بلند کیا۔ ”دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے“ نیلو فر جی۔

”ہاں۔ آئی و ش وان فاتح میرے لئے اسٹینڈ لیتے تو ہم مل کے صوفیہ رحمن کا صفایا کر دیتے۔ خیر اب بھی اتنی دیر نہیں ہوئی۔“ نیلو فر نے بظاہر سرسری سا کہتے ہوئے گھونٹ بھرا تو تالیہ مسکرائی۔

”کیوں نہیں نیلو فر جی۔ میں ان سے بات کروں گی۔ ان کو آپ کی پروموشن کرنی چاہیے۔ مگر....“ لہجہ کو

Downloaded from PakSociety.com



فکر مند اندھنایا۔ ”آپ یوں کتاب لئے گھوم رہی ہیں فون پہ کسی نے فون چرا کے حاصل کر لی تو؟“

”ارے میری جان.... تین تین لیرز کے پاسورڈ ہیں اس پہ۔ اور کوئی اسے بریک نہیں کر سکتا۔“

”وہ تو ٹھیک ہے مگر صوفیہ خطرناک عورت ہے۔ آئی ایم شیور اس نے آپ کے پیچھے لوگ لگا رکھے ہوں گے۔“

”یہ لوگ مجھے ان ہتھکنڈوں سے خاموش نہیں کر سکتے، تالیہ۔ میں نے اللہ پہ چھوڑا ہے ان کا معاملہ۔ تم دیکھنا اللہ تعالیٰ

میرا ساتھ دے گا اور ان کو عوام کے سامنے میرے ذریعے بے نقاب کرے گا۔“

”مگر اللہ تعالیٰ نے حفاظتی تدابیر کرنے کا بھی تو فرمایا ہے نا۔“ وہ بدستور فکر مند تھی۔ ”اگر جو یہ لوگ آپ کے پبلشر کو اپروچ

کریں تو؟“

(گٹ۔ اب تم ٹریک پہ جا رہی ہو، کون دو من۔) ایک تو اس کے تبصرے۔

نیلو فرہنس دی۔ ”چھپلے ماہ کے ایل میں مقیم میرے رشتے داروں کو ڈرا دھمکا کے صوفیہ کا ایک اعلیٰ جنس آفیسر پہا کروار ہاتھا

کہ نیلو فر کے پبلشر کا نام بتا دو۔ مگر میرے رشتے داروں کو معلوم ہی نہ تھا تو کیسے بتاتے۔ انہوں نے مجھے ڈرانے کی بہت

کوشش کی۔ اب البتہ خاموش ہو گئے ہیں۔“ وہ کندھے اچکا کے مسکرا کے کہہ رہی تھی۔

”آپ کا پبلشر قابل بھروسہ تو ہے نا؟ اگر جو انہوں نے اس کا نام معلوم کر کے اس کو خرید لیا تو؟“

”ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ کوئی ملے تھوڑی ہے۔ نہ وہ ایشین ہے۔ وہ گورا ہے اور گورے ان معاملات میں کانٹریکٹ اور

Ethics کے بے حد پابند ہوتے ہیں۔ باقی اللہ مالک ہے۔“ نیلو فر بالکل شانت تھی۔

”آپ درست کہہ رہی ہیں۔ آپ کا اللہ پہ ایمان مجھے بہت اچھا لگا۔“

”بس دیکھ لو تالیہ۔ انہوں نے جو بھی کیا میرے ساتھ میں ڈٹی رہی۔ پتہ ہے عبدالرحمن نے ایک دفعہ....“ اس کے پاس

سنانے کو بہت قہقہے تھے اور دوپہر ابھی جواں تھی۔ تالیہ نے بدقت جھائی روکی اور سننے لگی.....

”دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے یہ واحد چیز تھی جس نے تمہیں آج بچایا ہے، کون دو من۔“

وہ کمرے میں واپس آئی تو وہ سامنے ٹانگ پہ ٹانگ جمائے کرسی پہ بیٹھا برہمی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پی کیپ اتار رکھی تھی

اور بھورے بال ماتھے پہ بکھرے تھے۔ تالیہ نے شانے اچکائے۔

”ریلیکس۔ اسے مجھ پہ شک نہیں ہوا۔ بلکہ مجھے چند باتیں مزید معلوم ہوئی ہیں۔“

”سن لی ہیں میں نے ساری باتیں۔ وہ پبلشر کے ذکر کے قریب بھی نہیں جا رہی تھی اور نہ ہی ہم اس کا فون چرا کے کتاب

اس میں سے حاصل کر سکتے ہیں۔“

Downloaded from PakSociety.com



وہ چپ چاپ سامنے والی کرسی پہ آگے بیٹھ گئی اور گول شیشے نما کھڑکی سے باہر پھیلا نیلا دریا دیکھنے لگی۔ دوپہر ڈھل رہی تھی اور پانی کی سنہری چمک مامد ہو گئی تھی۔ ایک عجیب ادا سی تھی جو وہاں بکھری تھی۔

”اب آگے کیا کرنا ہے؟ اس کے روم سے تو کچھ نہیں ملا۔“ وہ پوچھ رہا تھا۔

”کوئی اور پلان بنالیں گے۔ اب صوفیہ کے خاندان کی عزت بچانے کے لئے اس کی سائیڈ لی ہے تو کچھ تو کر ہی لوں گی۔“ تلخی سے کہتی وہ باہر دیکھ رہی تھی۔ جہان نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور آگے کو جھک کے غور سے دیکھا۔

”تالیہ؟“

”سن رہی ہوں۔“ اس کی اداس آنکھیں دریا پہ جمی تھیں۔

”تمہیں لگتا ہے تم اس کی کتاب چرا کے غلط کر رہی ہو۔“ نرمی سے پوچھا تو تالیہ نے اس کی طرف چہرہ گھمایا۔

”وہ ایک ٹوٹی ہوئی عورت ہے جہان۔ اس نے ایک سیاستدان سے شادی کی اس کے لئے کھڑی ہوئی اس کے لئے کام کیا اور اس نے کیا کیا اس کے ساتھ؟ استعمال کر کے دیوار سے لگا دیا؟ دو سال سے وہ عورت اپنی کتاب لکھ رہی ہے تاکہ لوگوں کو بتائے کہ یہ بڑے لوگ کیا کرتے ہیں عورتوں کے ساتھ۔ اور میں وہ اس سے چھیننے جا رہی ہوں۔ مجھے نہیں پتہ میں درست کر رہی ہوں یا غلط۔“

وہ پھٹ پڑی تھی۔ وہ اسے اسی طرح غور سے دیکھے گیا۔

”یہ دوسری عبدالرطمن کیسا آدمی تھا؟ بے وقوف اور جلد باز؟“

تالیہ نے اکٹاہٹ سے اسے دیکھا۔ ”تمہاری معلومات ملائیگیاء کی سیاست کے بارے میں بالکل درست نہیں ہیں۔

عبدالرطمن بہت شاطر اور عقلمند آدمی تھا۔ دور کی پلاننگ کرتا تھا۔ اتنی کرپشن کی مگر دامن پہ ایک چھینٹا تک نہیں پڑنے دیا۔“

”تو پھر وہ اتنے سال ایک عورت کے ہاتھوں بلیک میل کیوں ہوتا رہا؟ بلکہ اس نے ایسی عورت سے شادی ہی کیوں کی جو

چار دیواری کے اندر کی باتوں کو باہر نکال دینے والی تھی۔“

وہ چپ ہو گئی۔ ”اس کو کیا معلوم تھا کہ آگے یہ سب ہوگا۔“

”دیکھا جائے تو وہ تم سے بڑا چور تھا تالیہ۔ No Offence (دونوں ہاتھ اٹھا کے اضافہ کیا) مگر اس نے اتنے سال

اس عورت پہ بھروسہ بھی کیا شادی بھی کی اور بعد میں اس کا منہ بند کرنے کے لئے اسے پیسے بھی دیتا رہا۔ تم نے اس عورت

کے ساتھ صرف ایک کافی پی ہے اور اس کی دکھی کہانی سے متاثر ہو گئیں۔ وہ اتنا گھناؤم آدمی اتنے سال بے وقوف بننا رہا اور

اب اس کی اولاد اس کی غلطی کی سزا کا شہر ہے۔“

Downloaded from PakSociety.com



وہ چونک کے اسے دیکھنے لگی۔ ”تم یہ کہہ رہے ہو کہ میں....“

”میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اس عورت کو اپنی بات کو کسی کے دل میں اتارنے کا طریقہ آتا ہے۔ کچھ گن تو ہوں گے اس میں کوئی تو باتوں کا ہنر ہوگا جو عبدالرحمن کو اس نے اتنے سال استعمال کیا مگر صوفیہ کو نہیں کر سکی۔ وہ تمہیں جانتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ تم نے اپنے لیڈر کے لیے کام کرنا چھوڑ دیا ہے تو اسے لگا ہوگا کہ تم اپنے لیڈر اور اس کی بیوی کے درمیان ”دوسری عورت“ ہو۔ اس نے تمہاری اسی کمزوری کو استعمال کیا اور تمہارے....“

”میرے ذریعے فاتح صاحب کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی میں جانتی ہوں سب سمجھتی ہوں مگر....“

”مگر ساتھ ہی اس نے ایسی باتیں کہیں جن سے تم ریلیٹ کر سکو۔ ایسی باتیں ہماری جج منٹ کو ڈھانپ دیتی ہیں اور ہم سامنے والے کو درست جج نہیں کر پاتے۔“

تالیہ نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ ”She got to my head“

”تمہارا آئی کیو کتنا ہے تالیہ؟“ وہ غور سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

”پنہ نہیں۔“ اس نے شانے اچکائے۔ ”کبھی چیک نہیں کیا۔ تمہارا کتنا ہے؟ دوسو؟“

”اس سے فرق نہیں پڑتا کہ ہمارا IQ کتنا ہوتا ہے۔ فرق اس سے پڑتا ہے کہ ہمارا EQ کتنا ہے۔ تمہیں میرے سوال کے جواب میں یہ کہنا چاہیے تھا مگر تم نے نہیں کہا۔“

”ای کیو؟“ اس نے تعجب سے ابرو اٹھائی۔

”ہاں۔ ای کیو۔ یعنی ایوینٹل کوہنٹ۔ اپنے جذبات اور احساسات کو سمجھ کے خود کو اسٹریس سے نکلانے کی صلاحیت۔ یہ اٹیلی جنس کوہنٹ (آئی کیو) سے زیادہ ضروری ہوتی ہے ایک مثبت زندگی گزارنے کے لیے۔ تمہیں اپنا ای کیو بڑھانے کی ضرورت ہے۔“ وہ نرمی مگر فکرمندی سے کہہ رہا تھا۔

”تو میں کیا کروں؟“ اس مقام پہ آ کے وہ بے بس ہو جاتی تھی۔

”فی الحال تو کچھ مت کرو۔ بس اتنا کرو کہ جاؤ اور آدھے منٹ کے لیے اپنا منہ ٹھنڈے پانی کے پیلے میں ڈبو کے آؤ۔ اور پھر اپنے آپ کو بار بار بتاؤ کہ تم نیلو فرجیسی نہیں ہوناس کی کہانی تم جیسی ہے۔“ پھر وہ پیچھے ہو کے بیٹھ گیا جیسے اس کے اٹھنے کا شکر ہو۔ وہ بتا کچھ ہے اٹھی اور ہاتھ روم میں۔ ٹھنڈے پانی کا ٹل کھولا اور سنک میں پانی بھرا۔

اس کے ارد گرد ہی چھوٹا کمرہ اور اونچی چھت حائل ہونے لگے تھے۔ سلاخوں سے بنا دروازہ سامنے تھا۔ وہ ٹھنڈی دیوار سے کمر لگائے گھٹنوں کو سینے سے لگائے خوفزدہ بیٹھی تھی۔

Downloaded from PakSociety.com



ایک جھکے سے اس نے اپنا چہرہ ٹھنڈے پانی میں ڈال دیا۔

(میں نیلو فر نہیں ہوں۔ میں اس جیل میں نہیں ہوں۔)

برف کی طرح بچ پانی اس کے جیسے سارے جسم میں داخل ہو گیا تھا۔

(میں اس جیل میں نہیں ہوں۔ میں آزاد ہوں۔)

بچ بستہ ہوا گویا اس کی ہڈیوں میں گھس رہی تھی۔ وہ سانس روکے پانی میں چہرہ ڈالنے جھکے کھڑی تھی۔

(میں کسی دوست کی محتاج نہیں ہوں۔ میں اپنی آزادی لے کر رہوں گی۔ چاہے اسے میں ایک نیلو فر آئے یا دس۔)

ایک زوردار کراہ سے اس نے چہرہ اوپر کھینچا۔ پھر آہستہ میں خود دیکھا۔ گیلے بال۔ جامنی پڑتے ہونٹ۔ ششدر سا چہرہ۔

کچھ دیر بعد وہ چہرہ خشک کیے بھیدہ سی اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

”تمہیں آگے چہ دن نیلو فر کے ساتھ گزارنے ہیں۔ اور تمہیں یہ یاد رکھنا ہے کہ تم اس جیسی نہیں ہو۔ تم اپنے لیڈر کی زندگی

میں رہو یا نہ رہو تم اس کو کبھی بلیک میل نہیں کرو گی۔ تم وقار سے الگ ہونا پسند کرو گی جبکہ اس نے ایسا نہیں کیا۔“

”کیونکہ اس عورت میں نہ کوئی dignity ہے نہ کسی کی عزت کا خیال۔ وہ دیڑھار ریتا ہر ایک کی موجودگی میں اپنے دکھ

سنانے بیٹھ جاتی ہے۔“ وہ تلخی سے بول رہی تھی۔ دماغ کو ٹھنڈک ملی تھی تو اندر تک سکون آ گیا تھا۔

”دکھ اشتہار لگانے کے لئے نہیں ہوتے اور جو لوگ ان کا اس طرح اشتہار لگاتے ہیں وہ صرف ان سے کمائی کرنا چاہتے

ہیں۔ تم نیلو فر بخت نہیں بنو گی۔ تم اپنے ایمو سن کو اپنے کام سے الگ رکھو۔ اپنا موازنہ اس سے نہ کرو۔“ وہ تشویش سے اس کی

طرف جھکا سمجھا رہا تھا۔

”میری اور اس کی کہانی بہت فرق ہے۔ میں سمجھ گئی۔“ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ البتہ ابھی تک فکر مند سی سے اسے

دیکھ رہا تھا۔

”ہم نے طے کیا تھا کہ میں تمہارا شریک ہوں۔ ہر تمہیرانی کا اصول ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے محسوسات اپنے شریک (ڈاکٹر)

کے ساتھ شیئر کرنے ہوتے ہیں۔ تمہیں اپنے محسوسات آتے ساتھ ہی مجھے بتانے چاہیے تھے۔ تم اچھی لڑکی ہوتی لیہ اور میں

تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔ تمہارے پاس مجھے دن مزید ہیں۔ تم ان کو استعمال کرو اور اپنے اندر سے سب کچھ باہر نکالنے کی

کوشش کرو تا کہ تمہیں خود بھی اندازہ ہو کہ تم کیا چاہتی ہو۔“

”لو کے۔ میں خود سے بتاتی رہوں گی۔“

”گڈ۔ اب کام کی طرف آتے ہیں۔ ایک دفعہ پھر تمہارے میلو ڈرائے نے ہمارا کافی وقت برباد کیا۔“ ایک دم اس کا لہجہ

Downloaded from PakSociety.com



بدل گیا۔ قدرے برہمی سے کہتے ہوئے اس نے آستین مزید چڑھائے اور میز پر رکھی نوٹ بک کھول کے قلم کاغذ سے اس پر لکھنے لگا۔ تالیہ نے بس کندھے اچکا دیے۔ وہ اس کے بدلتے رویوں کی اب عادی ہونے لگی تھی۔

”نیلو فر سے اس ملاقات سے ہمیں کیا معلوم ہوا ہے؟“

تالیہ گلیے ہال کان تلاء سے ہوئے آگے ہو کے بیٹھی پھر سوچتے ہوئے بولی۔

”کتاب واقعی لکھی جا چکی ہے اور اس کے گوگل ڈرائیو میں موجود ہے مگر پبلشر کے ذکر سے وہ کئی کترا گئی۔ میں نے اسے ایک انتہائی خود ترسی کا شکار اور خود پہ مظلومیت طاری کیے ہوئے عورت پایا جو ہمدردی لینا چاہتی ہے اور نفرت سے بھری ہے۔۔۔“

”جھوٹ بولنے والوں میں دس نشانیاں ہوتی ہیں۔“

”اب یہ مت کہنا کہ وہ سب تمہیں مجھ میں نظر آنے لگی ہیں۔“ تالیہ نے برا منہ بتایا۔ مگر وہ سوچ میں گم تھا۔

”پہلی نشانی... وہ آنکھوں میں دیکھ کے بات کرتے ہیں۔ دوسری... عادی جھوٹے لوگ کسی بات کا سیدھا جواب نہیں دیتے۔ وہ اتنے ڈر پوک ہوتے ہیں کہ بات گھما پھرا دیتے ہیں۔ تم نے اس سے شادی ٹوٹنے کی وجہ پوچھی تو اس نے بات گھما دی۔ تیسری نشانی... وہ اپنے جذبات کو بڑھا چڑھا کے بتاتے ہیں۔ اس نے کہا آئی تو کے ایل۔ وہ یہ بھی کہہ سکتی تھی کہ مجھے کے ایل پسند تھا یا میں اسے مس کرتی ہوں۔ مگر وہ ہر بات میں exaggeration کر رہی تھی۔ ایسے لوگوں کی وہی مثال ہے کہ They don't mean what they say!۔ مجھے وہ ایک انتہائی compulsive liar قسم کی عورت معلوم ہوئی ہے جس کا مطلب ہے کہ اس کی کتاب بھی جھوٹوں سے بھری ہوگی۔ ایسے کیا دیکھ ہی ہو؟“

”باقی سات نشانیاں تو بتاؤ؟“ وہ غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ جہان ہلکا سا مسکرایا۔

”اگر بتا دیا تو میں تمہارے جھوٹ کیسے پکڑوں گا؟“

تالیہ برا منہ بنا کے پیچھے ہوئی۔ وہ اب نوٹ بک میں کچھ لکھ رہا تھا۔ پھر سر اٹھایا اور سوچتے ہوئے کہنے لگا۔

”وہ موکا کافی کے لئے کیوں راضی ہوئی؟“

”کیونکہ میں نے کہا تھا کہ موکا پیتے ہیں۔“

”تم نے یہ بھی کہا تھا کہ کمرے میں چلتے ہیں حالانکہ وہ کیفے میں جانا چاہتی تھی۔ تم نے کہا چائے نہیں، موکا۔ تو اس نے بھی اپنا ارادہ بدل دیا۔ نیلو فر باتوں کا فن جانتی ہے، ادائیں دکھانا اسے آتا ہے، مگر اس میں قوت فیصلہ نہیں ہے۔ وہ

impressible ہے۔ جس نے جو کہا اس کی مان لی۔ وہ اپنے فیصلے نہیں کر سکتی۔“

Downloaded from PakSociety.com



تالیہ ایک دم سیدھی ہو کے بیٹھی۔ ”اور ایسے لوگوں کے لئے فیصلے کوئی اور کرتا ہے۔“

”سوچو تالیہ... اگر وہ یہ آخری دن اس شپ میں گزار رہی ہے اپنے قریبی دوستوں رشتے داروں اور فیملی کے ساتھ تو ان دنوں میں اسے کتاب کے حوالے سے کتنے بڑے فیصلے کرنے ہوں گے۔“

”ہاں۔ مجھے یاد ہے کہ ایڈم کی کتاب کے آخری دن بہت معروف اور اسٹریٹس ٹل ہوتے تھے۔“

”مگر وہ مطمئن لگ رہی ہے کیونکہ اس کے یہ سارے فیصلے اور ڈیلنگز وغیرہ اس کے لئے کوئی اور کرتا ہے۔ کوئی ایسا شخص جو اس وقت اس شپ پہ موجود ہے کیونکہ اس کی موجودگی میں وہ آرام سے بیٹھی ہے۔ وہی شخص نیلوفر اور پبلشر کے درمیان ہلکا کام کر رہا ہے۔“

”ایک منٹ۔“ تالیہ نے چونک کے فون نکالا اور اسکرین اسکرول کرنے لگی۔ ”یہ دیکھو نیلوفر نے مجھے ابھی فیکسٹ کر کے شام کی پارٹی میں انوائسٹ کیا ہے۔“

”گڈ۔ تم مزید اس کے قریب جا کے...“

”میں جہاں۔ اس کا رائٹنگ اسٹائل دیکھو۔“ اس نے اسکرین دکھائی۔

”وہ فیکسٹ میسج ہوا تو بیٹھ ہر فل اسٹاپ کے بعد نیا فقرہ اگلی لائن سے شروع کرتی ہے۔ اس کے روم میں ایک کانڈیپ لکھا آرٹیکل بھی تھا جو وہ صوفیہ کے خلاف لکھ رہی تھی۔ یہ دیکھو۔“ تالیہ نے جلدی سے وہ تصویر نکالی جو اس کے کمرے میں اس نے کھینچی تھی۔ ”یہ پرنٹ آؤٹ ہے مگر اس میں بھی ہر نیا فقرہ اگلی لائن سے شروع کیا گیا ہے لیکن...“ وہ ایک دم پر جوش ہو کے بتانے لگی۔ ”جب اس یہ آرٹیکل میج بلاگ پہ آیا تھا تو نفاست سے پیرا گراف کی صورت تھا۔ جو کتاب کا صفحہ اس نے مجھے دکھایا اس میں بھی تین پیرا گراف لکھے نظر آتے تھے۔ neat اور قواعد وضوابط کے ساتھ لکھے پیرا گراف۔“

”تم کہہ رہی ہو کہ کتاب کا ”رف ورژن“ وہ خود لکھتی ہے مگر اس کا neat اور فائل ورژن کوئی اور لکھتا ہے۔“

”میں کہہ رہی ہوں کہ اس نے آرٹیکل کے صرف پوائنٹس لکھے ہوئے تھے لائن چھوڑ چھوڑ کے۔ وہ کتاب بھی ایسے ہی لکھتی ہے۔ جو فقرہ یاد آتا گیا لکھتی گئی۔ پھر وہ کسی اور کو دیتی ہے جو اس کو کہانی کی شکل میں ڈھالتا ہے۔ وہی شخص نیلوفر کا گھوسٹ رائٹر ہے۔ وہی اس کے لئے فیصلے لیتا ہے اور لٹریچر ایجنٹ کا کام بھی کرتا ہے۔“

”لٹریچر ایجنٹ تو باقاعدہ لٹریچر ایجنٹس سے تعلق رکھتے ہوتے ہیں اور وہ رائٹر اور پبلشر کے درمیان ہلکا کام کرتے ہیں۔ اس شپ کے تمام مہمانوں میں کوئی بھی کسی لٹریچر ایجنٹ سے نہیں ہے۔ میں نے لسٹ چیک کی تھی۔“ وہ اپنی کارکردگی بتانے سے باز نہیں رہتا تھا۔

Downloaded from PakSociety.com



”تو ہو سکتا ہے نیلو فر کا“ ایجنٹ“ پروفیشنل ایجنٹ نہ ہو۔ وہ اس کا کوئی قریبی شخص ہو جس پہ وہ اعتماد کرتی ہو۔“ وہ ایک دم ہرجوش ہو گئی تھی۔ ”وہ شخص نیلو فر کے ذہن تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ وہ شخص یہاں موجود ہے۔ اور اس شخص کے پاس کتاب کا اصل مسودہ بھی ہے۔ اس کو پبلشر کا بھی علم ہے۔ ہمیں اس آدمی کو ڈھونڈنا ہے۔“

”تمہیں کیوں لگتا ہے کہ نیلو فر کا گوسٹ رائٹر ایک آدمی ہے؟ انہوں نے وہ مردوں کے خلاف باتیں کرتی ہے۔ کبھی آدمی پہ ٹرسٹ نہیں کرے گی۔ وہ کسی عورت کے اشاروں پہ چل رہی ہے۔ میرا گیس ہے کہ یہ اس کی ماں ہے۔“ وہ سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ گول کھڑکی سے باہر پھیلے نل کے پانی پہ سہ پہر اتر رہی تھی۔ ٹھنڈ بڑھنے لگی تھی۔

”ہاں اس کی ماں ہر جگہ اس کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ اپنے زمانے میں بڑی سوشل اور Dominating عورت رہی ہے۔ مگر یہ اس کا مرد دوست بھی ہو سکتا ہے جس کے پیسوں پہ آج کل وہ رہ رہی ہے۔ وہ کوئی ملائیشین بزنس مین ہے۔ لیکن اگر وہ عورت ہے تو وہ آج کی پارٹی میں ہوگی کیونکہ آج نیلو فر نے کتاب کی ریلیز ویٹ اناؤنس کرنی ہے۔“

”گڈ۔ تمہیں اب اس عورت کو ڈھونڈنا ہے۔“

”پارٹی میں بہت سی عورتیں ہوں گی۔ میں کیسا سے ڈھونڈوں گی؟“

”تم ایک کام کرنا۔“ وہ ہرجوش انداز میں مسکرا کے کہنے لگا۔ ”تم جوتوں کا رخ دیکھنے والی ٹیکنیک استعمال کرنا جس سے...“

”اوہو... ہمارے جوتوں کا رخ تو صرف یہ بتاتا ہے کہ ہم سامنے والے کی بات میں انٹرسٹڈ ہیں یا نہیں.... مگر نیلو فر کی گوسٹ رائٹر کو ہم اس کے جوتوں کے رخ سے کیسے ڈھونڈ سکتے ہیں؟“ اس نے بزداری سے بات کاٹی۔

جہان سکندر نے لب بھنچ لئے اور بھنویں اکٹھی کر کے اسے دیکھا۔

”میں کچھ اور کہنے لگا تھا، مگر یوٹو واٹ میں کچھ نہیں کہتا۔ تمہیں چونکہ زیادہ پتہ ہے تو تم آج اسے خود ڈھونڈنے کی کوشش کرو۔ میں چلتا ہوں۔“ گھڑی دیکھی اور اٹھ گیا۔ تالیہ نے تعجب سے اسے دیکھا۔

”سنو... تم اپنے گھر والوں سے بھی اسی طرح ناراض ہو کے چلے جاتے ہو؟“

”میرے کوئی گھر والے نہیں ہیں۔ اکیلا رہتا ہوں اس شہر میں۔ تمہارے کمرے کا یہ بلب (اوپر اشارہ کیا) کام نہیں کر

رہا۔ روم سروس کو بلوا کے ٹھیک کر دالینا۔“ بے نیازی سے ہدایت دیتا، پی کیپ سر پہ چہنٹا وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

”اچھا سنو... تم جوتوں کے رخ کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے؟“

مگر پکار نے کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ ہونہ میں سر جھٹک کے باہر جا چکا تھا۔

☆☆=====☆☆

Downloaded from **Paksociety.com**

Nemrah Ahmed Official

#CrossOver(Special Episode)

#TeamNA



نیلو فر کی پارٹی ہوئی کے ایک چھوٹے سے ہال میں تھی جو پرائیوٹ پارٹیز کے لئے مختص تھا۔ دروازے بند تھے اور اندر سے موسیقی کی آواز آرہی تھی۔ باہر کھڑی تالیہ نے ایک لمحے کے لئے خود کو دیوار پہ لگے آئینے میں دیکھا۔ نیوی بلیو لمبی میکسی پہنے بالوں کا جوڑا ہٹائے وہ ماتھے پہ ہیروں کی ماتھا پٹی پہنے ہوئے تھی۔ یہ نازک سا ہیڈ بینڈ اس کے سر کو گول دائرے کی صورت جکڑے اسے ایک شہزادی کی طرح دکھا رہا تھا۔ آئینے میں خود کو دیکھتے بہت کچھ یاد آیا مگر پھر سر جھٹکا اور کان میں لگا ایئر پیس دیا۔

”تم کہاں ہو؟“ ادھر ادھر طائرانہ نگاہ دوڑائی۔ کاریڈور میں چند لوگ آ جا رہے تھے۔

”قریب ہی ہوں۔“ وہ کان میں بولا مگر تالیہ کو وہ کہیں نظر نہیں آیا۔ بظاہر مٹھی لبوں پر رکھے کھٹکھارتے ہوئے ہلکا سا بولی۔

”وہ تم جوتوں کے رخ کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے۔“

”جہیں نہیں.... میں کیوں کچھ کہوں گا۔ تالیہ مراد کو تو ویسے بھی سب معلوم ہوتا ہے۔“

”دیری فنی۔ خود ڈھونڈ لوں گی اسے۔“ سر جھٹکا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ گارڈ نے اس کا نام گیسٹ لسٹ میں دیکھ کے مسکرا کے سر کو خم دیا اور دروازہ کھول دیا۔

اندر مدھم روشنیاں اور جیڑ میوزک کے ساتھ ایک پارٹی جاری و ساری تھی۔ عورتیں ٹولیوں کی صورت کھڑی، گلاس ہاتھ میں لئے ہاتھیں کر رہی تھیں۔ بمشکل بیس عورتیں ہوں گی۔ تالیہ کی نظروں نے سارے ہال کو اسکیں کیا۔ نیلو فر سامنے ہی تھی۔ سلور میکسی میں تیار بالوں میں مور کا پنکھ لگائے وہ سرخ لپ اسٹک کے ساتھ مسکراتی مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہی تھی۔ تالیہ کی نظریں اس کے کرسٹل سینڈلز پہ جھکیں۔

ان کا رخ کیا تھا؟

مگر نیلو فر آگے پیچھے آتی جا رہی تھی۔ کبھی ایک ٹولی کے پاس جاتی، کبھی دوسری کے پاس۔ اس کے جوتوں کا رخ بار بار بدلتا۔ اتنا شور۔ رش۔ نیلو فر کے چہرے ایک جگہ تک ہی نہیں رہے تھے۔

”سنو.... مجھے جہاز کی گیلری میں ملو۔ ابھی۔“

وہ نیلو فر کے دیکھنے سے پہلے تیزی سے باہر نکل آئی۔ میکسی کو پہلو سے اٹھائے اب وہ تیز تیز کاریڈور میں چلتی جا رہی تھی۔ ماتھے پہ پریشانی سے مٹی پڑے تھے۔

وہ جہاز کی ایک بالکونی میں کھڑا تھا۔ سر پہ پی کیپ پہنے بازو سینے پہ لپیٹے مسکرا کے اسے دیکھ رہا تھا۔ پیچھے بہت رات کے اندھیرے میں ڈوبانٹل کا دریا پر سکون لگتا تھا۔

Downloaded from PakSociety.com



”ٹھیک ہے.... نہیں کاٹوں گی اب تمہاری بات... بتاؤ اب جو تم کہہ رہے تھے؟“

وہ اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور بے بسی بھری اکٹاہٹ سے بولی۔ یہاں ہوا تھی اور اس کے جوڑے سے نکلتی لٹیں پیچھے کواڑنے لگی تھیں۔ وہ نیم اندھیرے میں کھڑا تھا، چاند کی مدھم روشنی آدھے چہرے پہ پڑتی تھی اور باقی آدھے پہ پی کیپ کا سایہ تھا۔ پھر بھی تالیہ کو اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی دکھائی دی۔

”کیوں؟ تم نے نیلو فر کے جوتوں کے رخ سے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ وہ سامنے والوں میں انٹرسٹڈ ہے یا نہیں؟“  
جما کے پوچھا۔

”وہ تو سارے مہمانوں میں ہی انٹرسٹڈ ہے۔“ وہ جل کے بولی تو وہ مخلوط انداز میں مسکرایا۔ بولا کچھ نہیں۔

”نیلو فر کے جوتے ایک جگہ نکلتے تو میں نوٹ کرتی نا۔“

”میں نیلو فر کے جوتوں کی بات نہیں کر رہا تھا۔ وہ اصول جو تم کہہ رہی تھیں، وہ مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ میں پارٹی کی دوسری عورتوں کے جوتوں کی بات کر رہا تھا۔“  
”مطلب؟“

”مطلب یہ کہ تم ایک ایسی پارٹی میں جا رہی ہو جہاں صرف عورتیں ہیں۔ عورتوں کے گروہ کے لئے یہ اصول کسی اور طریقے سے استعمال ہوتا ہے۔ تمہیں نیلو فر کے پیر نہیں دیکھنے۔ تمہیں سب عورتوں کے پیر دیکھنے ہیں۔ کیونکہ جب عورتیں گروپ میں کھڑی ہوتی ہیں تو ان سب کے پیر صرف ایک عورت کی طرف مڑے ہوتے ہیں۔ ان کی لہلہا کی طرف۔“  
تالیہ نے گہری سانس لی۔ ”The Female Alpha“ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”وہ گھوسٹ رائٹر صرف نیلو فر کی محرم راز ہی نہیں ہے، بلکہ اس کی لہلہا بھی ہے۔ میں سمجھ گئی۔“

اور تیزی سے مڑی، پھر رکی اور واپس پلٹ کے اسے دیکھا جو ریٹنگ سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔  
”ابوہ اور جب تم روز کشتی سے واپس آیا کرو تو کوشش کیا کرو کہ اپنی ویڈیو رنگ کشتی میں ہی اتار رکھا کرو کیونکہ تم مجھ سے ملنے سے چند سیکنڈ پہلے اسے اتارتے ہو اور تمہاری انگلی پہ اس کا واضح نشان رہ جاتا ہے۔ No Offence۔“  
مسکرا کے پلکیں جھپکا کے بولی اور واپس مڑتے وقت اس نے جہان کے ماتھے پہ پڑتے بل واضح دیکھ لئے تھے۔ مگر اس کے کچھ کہنے سے پہلے وہ جا چکی تھی.....

☆☆=====☆☆

کسی بھی جنگل میں رہنے والے بھیڑیے عموماً جتنے کی صورت میں کام کرتے ہیں۔ وہ جتنے میں حملہ کرتے ہیں جتنے میں چیر

Downloaded from PakSociety.com



پھاڑ کر کے شکار کو کھاتے ہیں۔ لیکن اگر بھیڑیوں کو فور سے دیکھو تو ان کے جتنے کا ہمیشہ ایک سردار ہوتا ہے جس کے اشارے پہ سب کام کرتے ہیں۔ وہ ان کے تمام فیصلے کرتا ہے، شکار کی اسٹریٹجی بناتا ہے، جس کو چاہے بھوکا مارے، جس کو چاہے زیادہ کھانے کو دے۔ بھیڑیے اپنے سردار کی آنکھ کے اشارے کے پابند ہوتے ہیں۔

ایسے سردار بھیڑیے کو Alpha Wolf کہا جاتا ہے۔ کسی بھیڑیے کو ایسا انتخاب کر کے نہیں بنایا جاتا نہ وہ نسل و نسل بادشاہی نظام کے مطابق سردار بنتا ہے۔

بلکہ گروہ میں سے کوئی بھی بھیڑیا خود ہی ایسا بن جاتا ہے کیونکہ اس کی شخصیت اور برتاؤ ایسا ہوتا ہے کہ دوسرے بھیڑیے خود بخود اس کو اپنا ایسا مان لیتے ہیں۔

ایسا خود کو لیڈر خود ہی بنواتا ہے اور منواتا ہے۔

ایسے ہی انسانوں میں بھی ایسا ہوتا ہے۔

مردوں کے ایسا مختلف ہوتے ہیں عورتوں کے ایسا مختلف۔

ہر گھر میں ہر آفس میں ہر دوستوں کے گروپ میں ایک ایسا ہوتا ہے۔

مرد ایسا کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ وہ جب گروہ میں آتا ہے تو سب اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اس کی بات مانی نہیں جاتی اس کی موجودگی میں کوئی اس کا مذاق بنانے کی جرأت نہیں کر سکتا اور اس کی موجودگی باقی سارے گروہ کے لئے Unnerving ہوتی ہے۔ وہ اس کے سحر اور عجب میں ہوتے ہیں مگر اس کی موجودگی میں ہمیشہ بے چین رہتے ہیں کہ کچھ غلط بول یا کرنے بیٹھیں۔ مرد ایسا ہار سوخ ہوتے ہیں اور حاکمانہ مزاج رکھتے ہیں۔ ان کے فیصلے مانے جاتے ہیں ان کو عزت دی جاتی ہے اور ایسا کی تعریف سب کو خوش کرتی ہے۔ مردوں کے ہر گروہ میں یا ہر آفس میں ضروری نہیں ہے کہ کوئی ایسا ہو مگر عورتوں کے ہر گروہ میں ایک ایسا ضرور ہوتی ہے اور عورتوں کے ہر گروہ میں ”صرف“ ایک ہی ایسا ہوتی ہے۔

دی فی میل ایسا دو لفظ اور یہ مرد ایسا سے کافی مختلف ہوتی ہے۔

☆☆=====☆☆

(لڑکیوں کو کم عمری سے چند چیزیں سکھائی جاتی ہیں۔ شیئر کرنا۔ تعاون کرنا۔ اور دوسروں کے لیے آسائیاں پیدا کرنا۔ جن لڑکیوں میں یہ خصوصیات ایک حاکمانہ طبیعت کے ساتھ موجود ہوتی ہیں وہ بڑی ہو کے اپنے گھر یا آفس میں ایسا بن جاتی ہیں۔ آفس کی ایسا ضروری نہیں ہے کہ گھر میں بھی ایسا ہو مگر وہ ہو بھی سکتی ہے اس کا اصل کام کسی سوشل گروپ میں سب کو ایک دوسرے کے ساتھ کھنکھل کرنا ہوتا ہے۔ وہ ایک دوسرے تک پہنچنے کا پہل ہوتی ہے۔ وہ ایک دوسرے کو متعارف کرواتی

Downloaded from PakSociety.com



(ہے)

تالیہ روشنیوں سے جگمگاتے ہال میں داخل ہوئی اور مسکراتے ہوئے سامنے کسی سے بات کرتی نیلو فر کی طرف آئی۔ نیلو فر نے اسے دیکھا تو فوراً اس کے پاس آئی اور گال سے گال ٹکرا کے گلے ملی پھرا لگ ہوئی اور سٹائش سے اسے دیکھا۔

”آؤ میں تمہیں اپنی فرینڈز سے ملواؤں۔“

وہ اس کا ہاتھ تھامے آگے لانے لگی تو تالیہ جلدی سے بولی۔

”نیلو فر پلیز... میرا تعارف مت کروائیے گا۔ آپ کی بک لائچ سے پہلے دان قاتج اور آپ کے درمیان کوئی لنک منظر

عام یہ نہیں آنا چاہیے۔“

”ابوہ رائٹ!“ نیلو فر نے سمجھ کے سر ہلا دیا اور اسے لئے عورتوں کی ایک ٹولی کی طرف آئی۔

(محبت لیلغا وہ ہوتی ہے جس کی موجودگی میں سارا گروہ اس کی طرف متوجہ ہو جاتا کہ ان کے جوتوں کا رخ بھی اسی کی

طرف ہو۔ چاہے لیلغا عورت خاموش ہی کیوں نہ کھڑی ہو۔)

ہال میں تین ٹولیاں تھیں اور نیلو فر پہلے گروہ سے اس کا تعارف اپنی ملے دوست کی حیثیت سے کروا رہی تھی۔ تالیہ نے مسکرا کے باری باری ان تین عورتوں کو دیکھا۔

ایک معری عورت جو بات بے بات مسکرا رہی تھی۔

دوسری عورت جو اپنے فون پہ لگی ساتھ ساتھ باتیں بھی کر رہی تھی۔

تیسری نیلو فر سے پوچھ رہی تھی۔ ”آخر کتاب کب آرہی ہے نیلو؟“

اور نیلو نے پراسرار انداز میں مسکرا کے کندھے اچکائے اور اسے ساتھ لئے آگے بڑھ گئی۔

(ان میں سے کوئی بھی نہیں۔)

خواتین کا دوسرا گروہ قریب ہی کھڑا تھا۔ وہ دونوں ان کے قریب آئیں تو سب ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ دو عورتیں البتہ

آپس میں ہنستے ہوئے اپنی بات جاری رکھے ہوئی تھیں۔

(عورت لیلغا وہ ہوتی ہے جو گنگو کا مرکز ہو۔ وہ موجود ہو تو اس کو سنیں اس سے بات کریں۔ وہ چلی جائے تو مرکز ٹوٹ

جائے اور سب آپس میں بات کرنے لگیں۔)

تالیہ باری باری ان سب سے خوش اخلاقی سے ملنے لگی۔ گہری نظریں ایک ایک کے چہرے کا مشاہدہ کر رہی تھیں۔

(لیلغا کی موجودگی میں باقی عورتیں اسی کی طرح کاجال ڈھال اپنائیتی ہیں۔ وہ اسی کی طرح ہاتھ رکھتی ہیں، گلاس بکرتی

Downloaded from PakSociety.com



ہیں اسی کی طرح ہستی ہیں۔ وہ لطیفے سناتی ہے۔ وہ ہدایات دیتی ہے۔

(اونہوں) تالیہ نے ہلکا سا نفی میں سر ہلایا اور نیلو فر کے ساتھ تیسرے اور آخری گروہ کی طرف بڑھ گئی۔ اس کی گہری نظریں نیلو فر کی ماں پہ جمی تھیں۔

(عورت ہلکا دھوتی ہے جس سے مشورے مانگے جاتے ہیں۔ وہ گروہ کا سب سے زیادہ دانا داغ سمجھی جاتی ہے۔ اگر وہ کسی ایڈے کو روک دے تو باقی عورتیں بھی اس کی وجہ سے مارتے بدل دیتی ہیں۔)

نیلو فر کی ماں سفید سلور ہالوں کا جوڑا بنائے گردن میں نیلے نگینوں کا نیپکلیس پہنے اکٹائی اکٹائی کھڑی تھی۔ اسے اپنی میکسی کا کام کندھے سے چھوڑ ہاتھ اور وہ ہار ہار اسے وہاں سے ٹھیک کرتی تھی۔

”نیلو... میرا ڈریس بالکل ٹھیک سے Stitch نہیں ہوا۔“ وہ دونوں قریب آئیں تو اس کی ماں نے شکایت کی۔ نیلو فر نے مسکرا کے صرف سر جھٹکا اور جتا کے بولی۔

”اسی لئے تو آپ کو کہا تھا می کہ یہ ڈریس مت پہنیں مگر آپ سنتی کہاں ہیں۔“

”اب تو سن چکی ما۔“ وہ رو ہانسی شکل بنائے اگلیوں سے کندھے پہ لباس کو درست کر رہی تھی۔

”تالیہ... اس کی ماں پہ نظر رکھو۔“ جہان کی آواز کان میں گونجی مگر تالیہ مسکرا کے دوسری عورتوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔ نیلو فر اب اس سے ان کا تعارف کر داری تھی۔ تالیہ کی مسکراتی خاموش نظریں ایک ایک چہرے پہ جاتیں اور واپس پلٹ جاتیں۔ اس کی نگاہ تھک گئی اور مایوس ہو گئی۔

وہ سب پرانی فرینڈز تھیں۔ وہ ایک نیلو فر کی کزنز بھی تھیں۔ مگر ان سب میں کچھ بکھرا بکھرا سا تھا۔ کوئی شے ایسی نہ تھی جو ان کو جوڑے ہوئے تھی۔ ان کے جوتوں کا رخ بھی ایک سا نہیں تھا۔

نیلو فر اس کو وہ ہیں چھوڑ کے دوسرے مہمانوں کی طرف بڑھ گئی۔ ایک وہی تھی جو پورے ہال میں ایک سے دوسرے کی طرف لپکتی پھر رہی تھی۔

”اس کی ماں کیسی لگی؟“ وہ کان میں لگے آلے کی مدد سے پوچھ رہا تھا۔ تالیہ نے مٹھی چہرے کے قریب کی اور ہلکا سا مسکرائی۔

”اونہوں۔ وہ عام سی عورت ہے۔ بلکہ یہاں کوئی بھی اتنا خاص نہیں ہے۔“

”یہ نہیں ہو سکتا۔ ہر فی میل گروہ میں ایک ہلکا ضرور ہوتی ہے۔ کوئی تو ہوگی۔“ وہ الجھ کے بولا تھا۔

”میں نے کہا تھا اس کی ماں نہیں ہو سکتی۔ بلکہ یہ اس کا وہ مرد دوست... وہ طے یز نس مین ہوگا۔“ وہ تلخی سے بظاہر

Downloaded from PakSociety.com



کھٹکھارتی بند مٹھی میں بولے جارہی تھی۔ اتنا وقت اس فضول پارٹی میں اس نے ضائع کیا۔

”اپوری دن... اس سے پہلے کہ ڈنر سرو کیا جائے مجھے ایک اناؤنسمنٹ کرنی ہے۔ آپ سب پلیز ذرا اسٹیج کے سامنے آ جائیں۔“

نوجوان نسوانی آواز پہ تالیہ کی گردن آہستہ سے گھومی۔

ایک دم ہال میں خاموشی چھانے لگی۔

پلیٹ فارم اسٹیج پہ وہ لڑکی کھڑی تھی اور اونچی آواز میں کہہ رہی تھی۔

”اپوری دن... میری آواز آرہی ہے۔۔۔؟“ مسکرا کے اس نے مائیک میں پوچھا۔

ہال کی ساری آوازیں دم توڑ گئیں۔

ساری باتیں، قہقہے خاموش ہو گئے۔ چاروں کونوں سے عورتیں پر جوش سی پلیٹ فارم کے قریب اکٹھی ہونے لگیں۔

”لو کے۔ اب آپ سب کی توجہ میری طرف ہے، رائٹ؟“

آنکھوں پہ چوڑی گلاسز لگائے، بالوں کی اونچی پونی باندھے وہ نوجوان لڑکی سارے میں نظریں دوڑاتی کہہ رہی تھی۔

”جیسا کہ آپ سب کو معلوم ہے، ہم یہاں مادام نیلوفر بخت کی کتاب کی ریلیز ڈیٹ اناؤنس کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔“

عورتیں اسٹیج کے گرد اکٹھی تھیں۔ تالیہ کے قدم بھی اسی طرف اٹھ گئے۔ اس نے گردنیں دیکھیں جو اونچی ہو کے اس لڑکی کو دیکھ رہی تھیں۔

اس نے جوتے دیکھے جو ہر طرف سے اسٹیج کی سمت مڑے ہوئے تھے۔

”اور ایسے میں جب ہم اس کتاب کو ریلیز کرنے جا رہے ہیں، ہماری دشمن صوفیہ رحمن ابھی تک ہمارے تعاقب میں ہے۔“

آپ کو پتہ ہے؟ میں ایک سکیورٹی ٹیم ساتھ لائی تھی اور اس ٹیم نے جانتے ہیں کیا دریافت کیا؟ کیونکہ اسی وجہ سے مجھے آنے میں دیر ہو گئی۔“

اس نے سسٹمس پیدا کیا۔ عورتوں نے ایک آواز ہو کے دلچسپی سے پوچھا۔

”کیا؟“

”میم نیلوفر بخت کو ہوٹل کی طرف سے ملنے والے پھولوں کے بکے میں ایک Bug تھا جو کسی نے ہماری باتیں سننے کے

لیے لگایا تھا۔ میری ٹیم نے اسے پکڑ لیا ہے۔“

Downloaded from PakSociety.com



”واٹ دی.....؟؟“ وہ اس کے کان میں بے یقینی سے بولا۔ لڑکی مسکرا کے اسٹیج پہ کھڑی تھی۔

”اور اس بگ کی موجودگی کا مطلب یہ ہے کہ صوفیہ ابھی تک ہمارے تعاقب میں ہے اور ہمارا پبلشر ڈھونڈنے میں لگی ہے۔ مگر جتنے محتاط ہمارے پبلشر صاحب ہیں اس سے زیادہ محتاط ہمیں ہونے کی ضرورت ہے۔ صوفیہ رطمن نے جتنی زبردگیاں بردہا کرنی تھیں کر لیں، کم از کم ہم اس کو اپنی ہالیڈے بردہا نہیں کرنے دیں گے۔“ وہ آخر میں مسکرائی تو ہال میں قہقہہ گونجا۔

”اور میں نے قاہرہ سے مزید سکیورٹی ٹیم بھی منگوا لی ہے جو میرے اور میم نیلوفر کے کمروں کے باہر پہرہ دے گی تاکہ دوبارہ کوئی ہمیں بگ کرنے کی کوشش نہ کرے۔ اوکے۔ اب آپ آ جائیں۔“

وہ کہہ کے نیلوفر کو تحکم سے اشارہ کرتی اسٹیج سے اترتی۔ سب کی نظریں نیلوفر پہ جمی گئیں جو پہلو سے میکی اٹھاتی، مسکراتی ہوئی اسٹیج پہ چڑھی اور دونوں ہاتھ اٹھائے اپنی بات کا آغاز کرنے لگی مگر تالیہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔

اس کی نظریں اس لڑکی پہ تھیں جو نیچے اترتے ہی سیدھی نیلوفر کی ماں کی طرف آئی، آنکھیں دکھا کے اسے ٹوکا اور سختی سے اس کا ہاتھ کندھے سے ہٹایا تو ماں جلدی سے منجھل مچی۔ لڑکی پھر آگے بڑھی اور کونے میں کھڑے مینیجر کو انگلی کے اشارے سے بلایا۔ پھر ہفٹ بیلو کی طرف اشارہ کر کے، بھنوں چڑھائے کھانے کے انتظامات کے بارے میں پوچھنے لگی۔ اس کے ماتھے پہ ہل تھے اور انداز میں رجونت تھی۔

”یہ کون تھی؟“ اس کے کان میں جہان کی خیریت بھری آواز گونجی تھی۔

تالیہ کی گہری نظریں دوڑ کھڑی ادھر ادھر جاتی اس لڑکی پہ جی تھیں جو انتظامات سنبھال رہی تھی۔

اس نے ہونٹوں کو نامحسوس انداز میں جنہش دے کر دھیرے سے کہا۔

”نیلوفر کی گوسٹ رائٹر... اس کی مینیجر... اس کی لٹریری ایجنٹ... اس کی لیلقا.... بلکہ پورے خاندان کی لیلقا....“ وہ تلخی سے مسکرائی۔

”یہ نیلوفر بخت کی بیٹی الماس بخت ہے۔ صوفیہ رطمن اور ہمارا کا مقابلہ نیلوفر سے نہیں بلکہ اس کی انیس سالہ بیٹی سے تھا۔ ہم اتنے دن سے غلط شخص کو نارکٹ کیے ہوئے تھے۔“

☆☆=====☆☆

”سو تم نے بھیجا تھا وہ پھولوں کے بکے میں بگ؟“

رات گہری ہو چکی تھی اور وہ دونوں تالیہ کے کمرے میں گول کھڑکی کے سامنے قدرے ڈھیلے سے بیٹھے تھے۔ باہر سیاہ پانی

Downloaded from PakSociety.com



چاندی میں چمکتا دکھائی دے رہا تھا۔ اور منروا کروڑ دھیرے دھیرے دریا میں سفر کر رہا تھا۔

جہان نے اس سوال پہ بس گھور کے اسے دیکھا۔

”ظاہر ہے ان کی باتیں سننے کا کوئی طریقہ ہونا چاہیے تھا۔ وہ پارٹی میں مصروف تھے تو میں نے سوچا یہ کام کر لوں۔“

”اچھا....“ تھوڑی سی ہتھیلی رکھی اور مسکرا کے اسے دیکھا۔ ”تمہارے پلانز بھی فیل ہوتے ہیں کیا؟ میں سمجھی صرف میرے

فیل ہوتے ہیں۔“

اس نے بس ناگواری سے سر جھٹکا اور کمر کی طرف دیکھنے لگا۔

”مجھے اندازہ ہونا چاہیے تھا۔“ وہ جیسے خود سے خفا تھا۔ ”اس کتاب کا سیکنڈ ڈرافٹ اس کی بیٹی لکھ رہی ہے۔ مگر میں ساری

اسٹیشنری قلم کاغذ اس کی بیٹی کے کریڈٹ کارڈ پہ آتے تھے مگر میں نے سمجھا کہ وہ کالج کی محصوم بچی ہے مگر... اللہ اللہ۔“ اس

نے بے زاری سے ہاتھ جھلایا۔

”ویسے وہ کس رنگ کے پھول تھے جو تم نے نیلوفر کو بھیجے؟“ وہ تھوڑی سی ہتھیلی جھانپ کر محصومیت سے پوچھنے لگی۔ جہان

نے گھور کے اسے دیکھا۔

”سفید گلاب تھے۔ اور وہ اس کے طے بزنس مین نے بھیجے تھے۔ میں نے صرف اس میں بگ رکھا تھا۔“

”ہاں تو میں صرف مسکرا ہی رہی ہوں۔“

”چلو تم مجھے بتا دو کیا پلان ہے تمہارے پاس۔“ وہ کرسی پہ سیدھا ہوا اور وہ اس کی طرف برہمی سے دیکھا۔

”ہم اس کو بگ نہیں کر سکتے اس کو ہیک نہیں کر سکتے اور ایک ٹانگ جتنی لڑکی سے اس کے پبلشر کا نام بھی نہیں اگلا سکتے

... تو ہمارے پاس ایک ہی آپشن رہ جاتا ہے۔“

”کہ ہم اس کو بلیک میل کریں؟“ وہ سنجیدہ تھا۔

”ایک تو تم سب سے پہلے بلیک میل پہ کیوں اتر آتے ہو؟ کہ ہم اس لڑکی کو کون کر کے کسی طرح سمجھانے کی کوشش کر سکتے

ہیں کہ کتاب کا شائع نہ کرنا ان ماں بیٹی کے لیے اچھا ہے۔“

”وہ کبھی کتاب روکنے پہ نہیں مانے گی۔“ اس نے ہاتھ جھلا کے اسٹیڈیا رد کیا۔ ”وہ ماں بیٹی اس وقت اپنی فیملی اور فرینڈز کی

موجودگی میں بہت پر اعتماد ہیں۔ ان کو ڈرایا جاسکتا ہے مگر قائل نہیں کیا جاسکتا۔ ہمیں نیلوفر کی کوئی کمزوری ڈھونڈ کے اس کو

ایکسپوز کرنے کی دھمکی دے کر.....“

”جہان.... پلیز....“ ایک دم وہ چڑ کے بولی تو وہ رکا۔ تھوڑی دیر پہلے کے تاثرات غائب ہو گئے۔

Downloaded from PakSociety.com



”نیلو فر کے فرینڈز اور فیملی اس کے اصل سے واقف ہیں اور وہ سب خود بھی ایسی ہی ہیں۔ نیلو فر کو کس کا ڈر ہے؟.... اپنے رازوں کے کھل جانے سے وہ ڈرتے ہیں جن کو اپنے پیاروں کو کھونے کا خوف ہوتا ہے۔ اسے بہت لوگوں نے پہلے ہی چھوڑ دیا ہے اور اب والے اس کے ساتھ رہیں گے۔ کافی لگی ہے اس معاملے میں وہ۔“

اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ نیم روشن کمرے میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔ ساری فضا تلخ ہو گئی اور یہ کڑواہٹ باہر بہتے تیل کے پانی میں بھی اترنے لگی۔

وہ آگے جھکے غور سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا۔

”تم اپنے دوستوں کو شک کا فائدہ کیوں نہیں دیتے؟“ اب کے نرمی سے بولا۔

”مجھے کچھ نہیں سننا۔“ وہ ایک دم پھٹ پڑی۔ چہرہ غصے سے تھمنا لگا۔ ”پلیزان کی حمایت مت کرنا۔ میں مشکل میں تھی اور میرے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ کوئی میرے لئے نہیں آیا۔ میرے سب دوست پتے پتے جو گر گئے، جھڑ گئے۔ یہ کبھی دوبارہ نہیں کھلیں گے۔“

”کیا کبھی کسی نے تمہیں بتایا ہے کہ ہر کہانی کی دو سائیڈز ہوتی ہیں؟ اور دوسری بھی سنی چاہیے؟“

”مجھے ان کی توجیہات اور مضامینوں سے فرق نہیں پڑتا۔ وہ لوگ نہیں تھے میرے ساتھ... تو نہیں تھے۔ بس۔ اور پلیز تم مجھے اکیلا چھوڑ دو۔“

اس نے پیر کرسی کے اوپر کر لئے اور اپنے گرد شال لپیٹ لی۔ ایک دم اسے بہت سردی لگنے لگی تھی۔ گھٹنوں کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنا کے سران میں چھپالیا۔ جسم پہ لکھی سی جڑھ لگی تھی۔ کمر کے پیچھے قید خانے کی ٹھنڈی دیوار آگئی تھی۔ سلاخوں پہ حقان کے ہاتھوں کے رگڑنے کی آواز... تالے میں چابی گھمانے کی آواز۔

اور

وہ گیلیے جوتوں سے سڑک پہ قدم اٹھانے کی آواز۔

تالیہ نے سختی سے دونوں ہاتھ کانوں پہ محاذیے مگر وہ آواز بڑھتی جا رہی تھی۔ ماضی، حال، مستقبل سب گڈمڈ ہو رہا تھا۔

”تالیہ... تالیہ...“ اس نے زور سے پکارا تو ایک دم سے ساری آوازیں دم توڑ گئیں۔

اس نے چونک کے سر اٹھایا۔ لمحے بھر کو اسے یاد نہ آیا کہ وہ کہاں بیٹھی ہے۔ پھر آہستہ آہستہ حیات واپس آنے لگیں۔

وہ کرسی پہ پیر اوپر کیے شال لپیٹے بیٹھی تھی اور وہ اس کے سامنے گرم کافی کا گلدستہ رکھ رہا تھا۔

”میں جب سے گیا ہوں تم ایسے ہی بیٹھی تھیں کیا؟“

Downloaded from PakSociety.com



تالیہ نے خالی خالی نظروں سے اس بھاپ اڑاتے مگ کو دیکھا۔

”کیا اب مجھے اس میں اپنا چہرہ ڈالنا ہے؟“

”نہیں۔ اس کو پینا ہے۔ اور پھر میرے ایک سوال کا جواب دینا ہے۔“

وہ اب میز پہ اس کالیپ ٹاپ رکھے کھول رہا تھا۔ تالیہ نے دھیرے سے گھبراہٹ سے اس کی طرف دیکھا۔ کافی کی بھاپ میں بہت کچھ یاد آیا۔ قدیم ملاک کا چائے خانہ... چائے کے چوں کی مہک... کڑا ہے میں ابلیتی چائے کا دھواں... ”ادھر دیکھو میری طرف۔“ جہان نے اس کے چہرے کے سامنے ہتھکڑی بجا دی تو وہ دوبارہ چونکی۔ پھر سر جھٹکا۔ ”کیا؟“ گردن جھکا کے دیکھا تو آدھا گم خالی ہو چکا تھا۔ پھر اس نے انہی خالی نظروں سے سامنے دیکھا۔ جہان نے اس کالیپ ٹاپ آن کر کے اسکرین اس کی طرف موڑ دی تھی۔ وہاں اسکرین سینور جگمگا رہا تھا جو کافی عرصے سے وہاں تھا۔

”روز جب ہم کام کرتے ہیں تو تمہارے لیپ ٹاپ پہ مجھے یہ تصویر نظر آتی ہے۔ جب تم اس تصویر کو دیکھتی ہو تو کیا دیکھتی ہو؟“

تصویر انکیشن نامیٹ کی تھی۔ ٹی وی پیدوان قاتح کی تصویر تھی اور سامنے صوفوں پہ بیٹھے وہ تینوں مڑ کے کیمرے میں دیکھ رہے تھے۔ سیلفی تالیہ نے لی تھی ایسے کہ پیچھے داتن ایڈم اور ٹی وی اسکرین... سب پورا سامنے نظر آ رہا تھا۔ ایڈم اور تالیہ نے وکٹری کی وی بنا رکھی تھی اور داتن پیلے سے کچھ کھاتی دکھا رہی تھی۔

تالیہ مغموں سا مسکرائی۔ ”چار لوگ ہیں اس تصویر میں۔ وہی جو تمہیں نظر آ رہے ہیں۔“

”میری بات مت کرو۔ میں وہ نہیں دیکھتا جو تم دیکھتی ہو۔ اپنی بات کرو۔ تمہیں اس میں کیا نظر آتا ہے؟“

تالیہ کی نظریں اسکرین سے ہٹ ہی نہیں رہی تھیں۔

”ایک پر جوش پر امید لڑکی جس کو لگتا تھا کہ اس کی اتنی لمبی انکیشن کیمپین کا کوئی فائدہ ہوگا۔ ایک نوجوان بوٹر جواپنے لیڈر کو آئیڈیل سمجھتا تھا۔ ایک سیاسی طور پہ نابلد عورت جس کو لگتا تھا کہ ووٹ دینا بے کار ہے۔ اور...“ اس کے حلق میں کچھ پھنسا۔

”ایک ایسا استاد جو مصلحتوں کا شکار ہے اور کبھی آزاد نہیں ہو سکے گا۔“

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ وہ اسی طرح تالیہ کو دیکھے گیا جس کے چہرے پہ اسکرین کی نیلی روشنی پڑ رہی تھی۔

”تمہیں اس تصویر میں اور کچھ نہیں دکھائی دیتا؟“

”اور کیا ہے سوائے میرے تین بے وقاد دوستوں کے؟“ وہ پھر سے زہر خند سا لولی۔

Downloaded from PakSociety.com



”Lenvatinib ہے۔“ وہ اتنی سنجیدگی سے بولا تو تالیہ کے ابرو بھینچے۔

”کیا؟“

جہان اٹھا اور اس کے ساتھ آکھڑا ہوا، پھر جھک کے اسکرین پہ وہاں انگلی رکھی جہاں داتن کے ساتھ میز نظر آ رہی تھی۔

”یہ دیکھو.... یہاں میز پہ Lenvatinib کی شیشی پڑی ہے۔ یہ کس کی ہے؟“

”یہ داتن کے اینٹی ڈپرینٹ ہیں، مگر....“

”اینٹی ڈپرینٹ؟“ اس نے بے یقینی سے تالیہ کو دیکھا۔ ”یہ نیلا نصف دائرے کا نشان جو اس شیشی پہ بنا ہے... اور یہ

فارمولا جو دور سے لکھا نظر آ رہا ہے... تم اس کو نہیں پہچانتیں؟“

تالیہ کی ابھی نظروں کو دیکھ کے اس نے گہری سانس لی۔

”یہ کینسر کی دوائی ہے۔ اسے کینسر پیشہنت ہی لے سکتے ہیں اور کوئی نہیں۔ تمہیں اس تصویر میں جو بھی نظر آتا ہو... سوری...“

مگر مجھے اس میں ایک فربہ عورت نظر آ رہی ہے جس کے سیاہ بال وگ کی مانند لگ رہے ہیں اس کے ساتھ کینسر کی دوائی رکھی ہے اور اس کے اصل بال بھینا کی موٹھیرا پی کے باعث جھڑ چکے ہیں۔“

تالیہ ایک دم کرنٹ کھا کے سیدھی ہوئی۔ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ہونٹ آدھے کھل گئے۔

”یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ داتن کے اصلی بال ہیں۔“ اس نے کپکپاتی انگلیاں کی بورڈ پہ رکھیں اور تیزی سے اسکرین پہ پاسورڈ

لکھا۔ سسٹم آن ہوا تو اس نے جلدی سے تصاویر کا فولڈ رکھولا۔ وہی تصویر سامنے لائی اور اسے زوم کیا۔

”آر یوشیور تالیہ؟ کیونکہ مجھے تو تمہاری دوست کی زبردگت کچھ اور بتا رہی ہے۔“

وہ بالکل سن بیٹھی، بنا پلک جھپکائے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔

”میرا خیال ہے اب تمہیں یہ طے کرنا ہے تالیہ کہ تم خود کسی کی زندگی کے درخت کا پتہ ہو، شاخ ہو یا جڑ۔“

اسے جہان کی آواز کسی کھائی سے آتی سنائی دی تھی۔ وہ جانے کب وہاں سے چلا گیا، اسے معلوم ہی نہ ہوا۔ بس وہ بے دم

سی اسکرین کو دیکھے گئی۔

☆☆=====☆☆

رات مزید گہری ہوتی گئی اور بحری جہاز دریائے نیل کا سینہ چیرتا آگے بڑھتا گیا۔ اس کی رفتار اتنی مدہم تھی کہ اندر اپنے

کمروں میں آرام سے سوتے مسافروں کو حرکت کا احساس تک نہ ہوتا تھا۔

وہ البتہ سو نہیں سکی تھی۔ کندھوں کے گرد شال لپیٹے، وہ بالکونی میں کھڑی، جہان کے کمرے کے بالکونی میں کھلتے دروازے کا

**Downloaded from Paksociety.com**



شیشہ بجاری تھی۔ چہرہ سنجیدہ اور دیران لگتا تھا۔ ہوا کے باعث ہال اڑاڑ کے منہ پہ آرہے تھے مگر وہ شیشہ بجاتی گئی۔ پہلے پردہ ہٹا پھر وہ نظر آیا۔ حیرت سے اسے دیکھا اور ہاتھ سے جو بھی کھار ہا تھا اسے منہ میں ڈالتے ہوئے دروازہ کھولا۔  
”تم سوئیں نہیں؟“

”مجھے بات کرنی ہے۔“ وہ بے چین اور پریشان نظر آتی تھی۔

اس نے راستہ چھوڑ دیا تو وہ تیزی سے اندر آئی۔ یہ اس کے کمرے کا سنگ امیر یا تھا جہاں ٹی وی روشن تھا اور سامنے والے صوفے کے آگے میز پر پاپ کارن رکھے تھے۔ بھنے ہوئے مکئی کے دانوں کی خوشبو سارے میں پھیلی تھی مگر اسے اس وقت کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ ساتھ والے صوفے پر بیٹھی اور بے چینی سے پوچھا۔  
”تم فارغ تھے؟“

”نہیں۔“

تالیہ نے نظریں گھما کے چلتے ٹی وی کو دیکھا جس پہ کوئی ڈرامہ آرہا تھا۔ اور سر اٹات میں ہلایا۔  
”گڈ۔ تم فارغ ہی تھے۔“

”میں ٹی وی شو دیکھ رہا تھا۔ اب تمہاری وجہ سے ادھر پھنسا ہوا ہوں تو اور کیا کروں۔“ وہ کندھے اچکا کے کہتا واپس اپنے صوفے پہ بیٹھا، ٹنگ پہ ٹنگ بچا کے نظریں ٹی وی پہ مرکوز کر دیں۔ اور پاپ کارن کا پیالہ گھٹنے پر رکھ لیا۔  
”سنو... اگر ذاتی کو واقعی کیسے ہے اور اس نے مجھے نہیں بتایا تو یقیناً اس کی کوئی وجہ ہوگی۔ تم مجھے پتہ کر کے دے سکتے ہو؟“  
”نہیں۔ میں اس وقت ٹی وی دیکھ رہا ہوں۔“ اور وہ واقعی اسکرین کو دیکھتے ہوئے پاپ کارن منہ میں رکھ رہا تھا۔ تالیہ کے ماتھے پہ ہل پڑے۔ اس نے نظریں موڑ کے اسکرین کو دیکھا۔

”یہ ٹرکس ڈرامہ میری بات سے زیادہ اہم ہے؟ اور تمہیں ان کی زبان سمجھ میں کیسے آرہی ہے؟“

”انگریزی Subtitles۔“ اس نے انگلی سے اسکرین کی طرف اشارہ کیا۔ ”اور یہ بہت اچھا شو ہے۔ اس کا نام ہے انتقام اور اس میں ایک لڑکی....“

”پتہ ہے مجھے۔ یہ امریکن شو Revenge کی کاپی ہے۔ اب میری بات سنو۔“

”ایک منٹ... ایک منٹ...“ اس نے برہمی سے تالیہ کو دیکھا۔ ”یہ کاپی نہیں ہے۔ Turks کاپی نہیں کرتے۔ انہوں نے اس کے کاپی رائٹس خرید کے اسے ترک زبان میں ڈھالا ہے۔ مہینڈ یو۔“

”تم ترکوں کو ڈھینڈ کرنے کی بجائے میری بات نہیں سن سکتے کیا؟ تم نے کہا تم میرے شرنک ہو۔ تو تمہیں میری بات سننی

**Downloaded from Paksociety.com**



چاہیے۔“

اس بات پہ جہان کے تاثرات بدلے۔ اس نے پیالہ میز پہ رکھا ریہوٹ سے ٹی وی بند کیا تو آوازیں اور نیلی روشنی دونوں دم توڑ گئیں۔

کمرے میں اب صرف مدھم زرد روشنیاں رہ گئیں۔ وہ اب ٹانگ سے ٹانگ ہٹا کے اس کی طرف ترچھا ہو کے بیٹھا اور نرمی سے بولا۔

”ہٹاؤ۔ تم کیا فیل کر رہی ہو؟“

”مجھے یہ جانتا ہے کہ داتن کو واقعی کوئی بیماری ہے یا نہیں۔ مگر میں اپنے کانٹیکٹس سے نہیں پوچھ سکتی۔ میرے اور داتن کے کانٹیکٹس ایک ہی ہیں۔ اگر میں نے ان سے پوچھا تو اسے پتہ چل جائے گا اور وہ مزید اس بات کو چھپا لے گی۔ مگر تم پتہ کر سکتے ہو۔“

جہان کے تاثرات بدلے۔ نرمی کی جگہ دبے دبے غصے نے لے لی۔ اس نے واپس ریہوٹ اٹھایا اور ٹی وی آن کرتے ہوئے بولا۔ ”تم اپنے محسوسات بتانے نہیں کام کہنے آتی ہو۔“

”ہاں تو تم کر سکتے ہو نا۔ تمہارے کانٹیکٹس مجھ سے زیادہ ہیں۔“ وہ تیز تیز کہہ رہی تھی۔

”نہیں کروں گا۔“ وہ ٹی وی آن کر چکا تھا اور اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔

”تم احمد نظام سے کہو کہ وہ داتن کی تمام شناختوں کو چیک کریں۔ وہ ہسپتال کے بل کسی سے تو پے کرتی ہوگی۔“

”سوری۔ یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے۔“

”تم کر سکتے ہو۔ تم اس کے کریڈٹ کارڈ ریکارڈز نکالو اور ہسپتال میں کسی کو ڈرا دھکا سکتے ہو یا اس کی فیملی کو کوئی لالچ دے سکتے ہو۔ اور وہ تمہیں بتا دیں گے۔“

”مجھے ٹی وی دیکھنے دو۔“ اسکرین کی نیلی روشنی اس کے سنجیدہ چہرے پہ سیدھی پڑ رہی تھی اور وہ برہم نظر آ رہا تھا۔

”میں پیسے دوں گی جو بھی خرچہ آئے۔ مگر تم کسی بھی طرح مجھے یہ معلوم کر کے بتا دو کہ وہ واقعی بیمار ہے یا یہ غلط فہمی ہے۔ میں

کروں گی تو وہ جان جائے گی۔ تم تو ایک دن میں ہر چیز معلوم کر لیتے ہو تو....“

”کہانا، ٹالیہ میں نہیں کر سکتا۔“ اس نے ایک دم اتنے غصے سے کہا کہ وہ جو بولتی جا رہی تھی رک گئی۔ بالکل شل اور سہکت۔

دونوں چند لمحے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

Downloaded from **Paksociety.com**



وہ غصے سے اور تالیہ بے یقینی سے ....

پھر شہزادی کے ماتھے پہ بل پڑے۔ جڑا بھنچ گیا۔

”قائن۔ تم ٹی وی دیکھو۔“ وہ ایک دم اٹھی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

چاند ہا دلوں کے درمیان سے جھلکتا نل پہ جھک رہا تھا۔ رات کے اس پہر سانپ جیسے دریا پہ سکوت چھایا تھا۔ ہالکونی میں ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور وہ شال لپیٹے ماتھے پہ بل ڈالے کھڑی سیاہ پانیوں کو دیکھ رہی تھی۔ ہوا سے ہال پیچھے کواڑ رہے تھے مگر وہ ان کو چھو بھی نہیں رہی تھی۔

پھر اسے قدموں کی آہٹ سنائی بھی نہ دی اور وہ دھیرے سے اس کے ساتھ آکھڑا ہوا۔

”تالیہ۔ بات سنو۔“ تری سے پکارا۔

”اٹس اوکے اگر تم نہیں کر سکتے۔ مجھے تم سے پرسنل فیور مانگنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ میں واپس جاؤں گی تو اپنے طریقوں سے معلوم کروالوں گی۔“ وہ پانی کو دیکھتے ہوئے سپاٹ سا بولی۔ وہ ریلنگ سے ٹیک لگائے سینے پہ ہازو لپیٹے ایسے کھڑا ہوا کہ اس کا چہرہ دیکھ سکتا تھا۔

”کیسے طریقوں سے؟“ نفور سے تالیہ کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کی۔

”وہی جو معلومات حاصل کرنے کے لئے اپنائے جاتے ہیں۔ کسی کو کون کر کے۔ کسی کو بلیک میل کر کے۔ کسی کو خرید کے۔“

”اور میں تمہیں یہی بتانا چاہ رہا تھا کہ تمہیں یہ سب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ سمجھانے والے انداز میں بولا تو تالیہ نے سر جھٹکا۔

”میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی۔ میں خواہ مخواہ ایویشنل ہو گئی۔ ابھی مجھے نیلو فریہ فوکس کرنا ہے اور کام کو ختم کر کے۔“

”سنو لڑکی....“ وہ زور دے کے بولا۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا اور وہ پانی کو۔ ”تمہیں اگر اپنی لیڈی فرینڈ کے بارے میں کچھ معلوم کرنا ہے تو یاد رکھو وہ تمہاری دوست ہے۔ تمہیں کسی کو کون کرنے یا خریدنے یا بلیک میل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں صرف ایک کام کرنا ہے۔“

وہ دریا میں تیرتے چاند پہ سپاٹ نظریں جمائے رکھی۔ بولی کچھ نہیں۔

”Just Ask her nicely.“ وہ نرم مگر پراصرار لہجے میں بولا۔

Downloaded from PakSociety.com



تالیہ مراد کے جسم کے سارے عضو شل ہو گئے۔ وہ بالکل متحیر سی کھڑی رہ گئی۔ پھر دھیرے سے..... بے یقین نظریں موڑ کے جہان کو دیکھا۔  
”کیا؟“

”وہ تمہاری دوست ہے۔ اسے معلوم ہے تم اس کی خیر خواہ ہو تو تم اتنے لمبے چکروں میں پڑنے کی بجائے ڈائریکٹ گلی اور ٹیکسلی اس سے پوچھ سکتی ہو اور وہ تمہیں بتا دے گی۔“  
تالیہ کی اس پہچانی سیاہ آنکھوں میں زمانے بھر کی حیرت تھی۔  
”ویش اس۔“ وہ جیسے چونک چونک گئی۔ ”مجھے صرف اس سے ڈائریکٹ پوچھنا تھا۔“  
”یہی میں کہہ رہا ہوں۔“

وہ جیسے کسی خواب سے جا گئی تھی۔  
”ہمیں کسی کو خریدنے یا بلیک میل کرنے کی ضرورت نہیں تھی، جہان۔ ہمیں صرف ڈائریکٹ گلی اس سے پوچھنا تھا اور وہ سب بتا دیتی۔“

”بالکل۔ تم اپنی اس لیڈی فرینڈ کو فون کرو اور اس سے پوچھو کہ...“  
”واتن نہیں... نیلو فر۔“ وہ ایک دم بولی تو وہ رک گیا۔ بھنویں اچکا نئیں۔  
”نیلو فر؟“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ہم اس سارے گیم کو غلط طریقے سے کھیل رہے تھے۔ ہمیں صرف نیلو فر سے ڈائریکٹ گلی پوچھنا تھا اور وہ اپنے پبلشر کا نام بتا دیتی۔“

”تالیہ... آریو او کے؟“ وہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ”تمہاری دوست کی بیماری...“  
”اس کو میں واپس جا کے دیکھ لوں گی اور واپس جانے کے لئے مجھے اس کام کو فوراً کھل کر دینا ہے۔ یہ... یہ ٹرکس ڈرامہ جو تم دیکھ رہے تھے۔ تم نے کہا ٹرکس لوگ کاپی نہیں کرتے... گریٹ۔ تم کبھی تر کی گئے ہو؟“ وہ ایک دم جوش سے پوچھ رہی تھی۔  
”ایک دفعہ بھی نہیں۔“

”جھوٹ مت بولو۔ تم آج کسی بات پہ اللہ اللہ کہہ رہے تھے۔ جو لوگ تر کی میں رہے ہوں صرف وہی یہ کہتے ہیں۔ اب بتاؤ تم نیلو فر کو کون کرنے کے لئے ایک کردار ادا کر سکتے ہو؟“

”ہاں۔ کر لوں گا۔ مگر تمہارے ذہن میں کیا چل رہا ہے؟“ وہ اسے اچھنبے سے دیکھ رہا تھا۔ مگر وہ ذہنی طور پہ کہیں دور پہنچی

**Downloaded from Paksociety.com**



ہوئی تھی۔

”لورسنو.... میں حالم کے فون سے جب کلائنٹس سے بات کرتی تھی تو آواز کو distort کر لیتی تھی.... وہ ایک ریگولر سافٹ ویئر ہے جو سب استعمال کرتے ہیں۔ اس سے آواز صرف ہماری ہوتی ہے۔ تمہارے پاس کوئی ایسا سافٹ ویئر ہے جو کسی کی آواز کو صرف distort نہ کرے بلکہ فون پر اسے ایک دوسری خوبصورت آواز میں بدل دے؟“

جہان نے اب کے مشکوک نظروں سے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔

”ہاں۔ ہے۔“

”گڈ۔ اور تمہیں اس کون گیم میں ایک کردار کرنا پڑے گا۔ الماس کو کون کرنے کے لیے کرلو گے نا؟“

”کہانا کرلوں گا۔ مگر کردار کس کا ہے؟“

تالیہ مراد کھلے دل سے مسکرائی۔

”ایک ترک آدمی کا۔ تمہیں یہ ظاہر کرنا ہے کہ تمہیں ترکش زبان آتی ہے ورنہ ساری زندگی استنبول میں رہے ہو۔ بتاؤ۔ اتنا کر سکتے ہو؟“

جہان سکندر نے بہت ضبط سے گردن موڑ کے دیا کے پانی پہ تیرتے چاندی کے ورق کو دیکھا۔ چند گہرے سانس لیے اور جب واپس چہرہ تالیہ کی طرف موڑا تو شدید شک و شبہ تھا۔

”مجھے ایک دفعہ پھر تمہارا بیک گراؤڈ چیک کرنا پڑے گا“ تالیہ کیونکہ مجھے شک ہو رہا ہے کہ کہیں تم مجھے ہار گٹ کرنے تو نہیں آئیں۔“ وہ سخت ناخوش لگ رہا تھا مگر تالیہ اس وقت اتنی پر جوش تھی کہ وہ کچھ اور نہیں سن رہی تھی۔

اس کا ذہن الماس بخت کے لیے ایک کھیل بن رہا تھا اور وہ کھیل کافی دلچسپ تھا۔

☆☆=====☆☆

جاری ہے۔۔۔۔۔

کیا ہوگا کھیل کا انجام؟ حالم کے باب اٹھارہ کا یہ حصہ اول تھا۔ حصہ دوم ابھی باقی ہے ڈیرممبرز۔۔۔